الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خان

پتھر مارنے والے سے نہ لڑو بلکہ اپنے آپ کو اتنا اونچا
اٹھاؤ کہ پتھر مارنے والے کا پتھر وہاں تک نہ پہنچ سکے

شمارہ ۴۶
ستمبر ۱۹۸۰

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

ستمبر ۱۹۸۰
شمارہ ۴۶

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من انصاری الی اللہ

الرسالہ پہلے بھی خسارہ میں چل رہا تھا مگر پچھلے چند مہینوں میں کاغذ وغیرہ کی قیمتیں اتنی تیزی سے بڑھی ہیں کہ اب یہ خسارہ ناقابل برداشت حد تک پہنچ گیا ہے۔ اس خسارہ کو پورا کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت بڑھا دی جائے۔ مگر فی الحال ہم ایک اور تدبیر کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس کے بعد مجبوراً قیمتوں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ وہ تدبیر یہ ہے کہ صاحب استطاعت افراد اس کے لئے اعانتی رقم (سَب سِڈی) فراہم کریں۔ کچھ اہلِ خیر اگر اس طرف توجہ فرمائیں تو انشاء اللہ بآسانی اتنی رقم کا انتظام ہو جائے گا جس سے خسارہ کی تلافی ہو اور پرچہ موجودہ قیمت پر نکلتا رہے۔ واضح ہو کہ اس مد میں اعانت کے علاوہ زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کی رقمیں بھی دی جا سکتی ہیں ـــــ اس سلسلے میں ہم کو آپ کے جواب کا انتظار ہے۔

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتھلی Al-Risala Monthly لکھیں

کعبہ سے زیادہ قابل احترام

یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یأکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم (حجرات ۱۲)

اے ایمان والو، بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو برا نہ کہو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم خود ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا، مہربان ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لمّا عُرِجَ بی مَرَرْتُ بقومٍ لھم اظفارٌ من نحاسٍ یخمشون وجوھَھم وصدورَھم فقلتُ مَن ھٰؤلاء یا جبریل قال ھٰؤلاء الذین یأکلون لحومَ الناسِ ویقعون فی اعراضھم (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کے سفر میں میرا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے وہ اس سے اپنے منھ اور سینے کھرچ رہے تھے۔ میں نے کہا اے جبریل، یہ کون لوگ ہیں۔ انھوں نے کہا یہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں پر گرتے تھے۔

المومن اکرم حرمۃً من الکعبۃ (ابن ماجہ)

من ردّ عن عرض اخیہ ردّ اللہ عن وجھہ النارَ یومَ القیامۃ (ترمذی)

اذا حسدتَ فاستغفر اللہ واذا ظننتَ فلا تحقق (طبرانی)

مومن کعبہ سے زیادہ قابل احترام ہے

جس نے اپنے بھائی کی عزت کو بچایا تو اللہ قیامت کے دن اس کے منھ کو آگ سے بچائے گا۔

جب تمھارے اندر حسد پیدا ہو تو اللہ سے معافی مانگو اور جب تم کو کسی کے بارے میں گمان گزرے تو اس کی تحقیق نہ کرو۔

یا معشر مَن آمن بلسانہ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتھم فانہ من یتبع عورۃ اخیہ یتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ یفضحہ فی جوف بیتہ (ابوداؤد)

اے ایمان لانے والو مسلمانوں کی برائی بیان نہ کرو، اور ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو اپنے بھائی کی پوشیدہ باتوں کے درپے ہوتا ہے تو خدا اس کی پوشیدہ باتوں کے درپے ہو جاتا ہے اور خدا جس کی پوشیدہ باتوں کے درپے ہو جائے تو وہ ضرور اس کو رسوا کر دیتا ہے خواہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔

انّ من اربی الربا الاستطالۃ فی عرض المسلم بغیر حق (ابوداؤد)

بدترین زیادتی یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کیا جائے

روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز کعبہ کی طرف دیکھا اور پھر کہا: تو کیسا عظمت والا ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے۔ مگر مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے (ما اعظمك واعظم حرمتك وللمومن اعظم حرمة عند الله منك، مختصر تفسیر ابن کثیر، جلد ثالث، صفحہ ۳۶۶) یہ بات جو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہی یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اسی کو صحابی رسول نے اپنی زبان میں دہرایا۔

کعبہ ایک خاموش یادگار ہے۔ اس سے کسی آدمی کے وہ معاملات نہیں پڑتے جو زندہ انسانوں سے پڑتے ہیں۔ اس لئے کعبہ کا احترام کرنے کے لئے آدمی آسانی سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور انسان کا احترام کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ مگر انسان کے تقویٰ کا اصل امتحان کعبہ کی سطح پر نہیں بلکہ انسان کی سطح پر ہو رہا ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں اپنے بھائی کے خلاف ایک برا گمان گزرتا ہے مگر وہ محض گمان کی بنیاد پر اس کے بارے میں نہیں بولتا حتیٰ کہ وسعت ظرف سے کام لیتے ہوئے وہ اس کی تحقیق سے بھی بچتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی کی جو بات اللہ نے چھپا رکھی ہے وہ اس کو چھپا ہی رہنے دے تو وہ ایک ایسے عمل کا ثبوت دیتا ہے جو کسی مقدس دیوار کا احترام کرنے سے بھی زیادہ بڑا عمل ہے۔ جب اس کو کسی کے اوپر غصہ آتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس سے روکتا ہے کہ وہ اس کی عزت پر حملہ کرنے لگے، وہ اس کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرے تو وہ ایک ایسا عمل کرتا ہے جو مقدس یادگاروں کا ادب کرنے سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ جب ایک آدمی دیکھتا ہے کہ اس کا بھائی کسی پہلو سے ترقی کر گیا ہے اس کے باوجود وہ اس سے حسد نہیں کرتا، وہ اس کا برا نہیں چاہتا تو یہ خدا کے نزدیک اتنا بڑا عمل ہوتا ہے جو اس کے لئے کعبہ کے احترام سے بھی زیادہ بڑے اجر کا باعث بن جاتا ہے۔

دنیا میں ہر آدمی ایک درمیانی مقام پر کھڑا ہوا ہے۔ ایک طرف اس کا خدا ہے جس سے وہ آخرت میں ملنے والا ہے۔ دوسری طرف وہ انسان ہیں جن کے درمیان وہ آج اپنے آپ کو پاتا ہے۔ آدمی کو دوسرے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا ہے جو وہ خدا سے اپنے بارے میں چاہتا ہے۔ اگر آدمی چاہتا ہے کہ خدا اس کے بھیدوں کو کھول کر قیامت میں اس کو رسوا نہ کرے تو اس کو دنیا میں یہ کرنا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے بھید کے پیچھے نہ پڑے۔ وہ اگر خدا کے بندوں کے بھید کو چھپائے گا تو خدا بھی اس کے بھید کو چھپائے گا۔ اور اگر اس نے دوسروں کو رسوا کیا تو خدا اس کو یہ سزا دے گا کہ قیامت کے دن اس کو رسوا کرکے اپنی رحمتوں سے اسے دور کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی عزت بچانا اپنی عزت بچانا ہے، دوسرے کے اوپر وار کرنا خود اپنے اوپر وار کرنا ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس راز کو جانتے ہوں اور اس سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے کے لئے راضی کر سکیں۔

سب سے بڑا عمل وہ ہے جس کے لئے آدمی کو اپنے نفس سے لڑنا پڑے، جس کے لئے مصلحتوں کے نقصان کو برداشت کرنا ہو، جس کی قیمت یہ دینی پڑے کہ آدمی کی عزت و مقبولیت خطرہ میں پڑ جائے۔

توبہ نے طاقت ور بنا دیا

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جادوگر جب فرعون کے پاس جمع ہوئے تو انھوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم موسیٰ کے مقابلہ میں غالب رہے تو ہم کو اس کا انعام تو ضرور ملے گا۔ فرعون نے کہا ہاں۔ اس کے بعد جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں پھینکیں جو دیکھنے والوں کو رینگتے ہوئے سانپ کی مانند نظر آنے لگیں۔ اب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔ آپ کا عصا اژدہا بن کر گھوما تو اس کا اثر یہ ہوا کہ جادوگروں کی ہر لکڑی لکڑی اور ہر رسی رسی ہو کر رہ گئی۔ جادوگر سمجھ گئے کہ موسیٰ نے جو چیز دکھائی ہے وہ جادو نہیں بلکہ خدائی معجزہ ہے۔ ان کا سینہ حق کے لیے کھل گیا۔ اور انھوں نے اسی وقت ایمان قبول کر لیا۔ فرعون غضب ناک ہو کر بولا: تم لوگ موسیٰ کے مومن بن گئے قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دوں۔ یہ تم لوگوں کی خفیہ سازش ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور پھر تم سب لوگوں کو سولی پر چڑھا دوں گا (اعراف) —— جادوگروں نے جواب دیا: اس ذات کی قسم جس نے ہم کو پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ خدا کی روشن نشانیوں کے مقابلہ میں ہم تم کو ترجیح دیں۔ تم جو کچھ کرنا چاہو کر لو۔ تم صرف اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتے ہو اور اللہ زیادہ اچھا ہے اور وہ باقی رہنے والا ہے (طٰہ)

وہی جادوگر جو ابھی فرعون کے سامنے خوشامدی باتیں کر رہے تھے اور اس کے انعام اور اعزاز کے طالب تھے وہی تھوڑی دیر بعد اتنے دلیر اور بلند حوصلہ ہو گئے کہ فرعون کی انھیں کوئی پرواہ نہ رہی۔ حتیٰ کہ فرعون کی طرف سے سخت ترین سزا کی دھمکی بھی انھیں مرعوب نہ کر سکی۔ وہ کیا چیز تھی جس نے جادوگروں کو اچانک پستی سے بلندی اور بزدلی سے بہادری تک پہنچا دیا۔ وہ ایمان کی طاقت تھی۔ انھوں نے انسانوں سے گزر کر خدا کو پا لیا تھا، پھر ان کو انسانوں کا ڈر کیوں ہوتا۔

شہر کے مسلم محلہ کو تخریب کاروں کے ایک غول نے گھیر لیا۔ مسلمان اپنے گھروں سے نکلے تو تخریب کاروں نے پتھر پھینکنے شروع کیے۔ مسلمانوں نے بھی اس کے جواب میں پتھر پھینکے۔ تخریب کاروں کو جب پتھراؤ سے کامیابی ہوتی نظر نہ آئی تو انھوں نے بندوقوں سے فائر کیے جس سے کچھ مسلمان زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمان بھاگے اور اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ اب تخریب کاروں کا حوصلہ بڑھا۔ وہ آگے بڑھ کر محلہ میں گھس گئے اور مسلمانوں کے مکانوں اور دکانوں میں آگ لگانا شروع کر دیا۔

یہ بڑا نازک موقع تھا۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ اس کے بعد محلہ کے ایک "دادا" کو اللہ نے ہمت دی اور اس نے مسئلہ کو حل کر دیا۔ اس شخص میں اور کوئی برائی نہ تھی۔ البتہ وہ شراب پیتا تھا۔ وہ اپنے

کمرہ میں داخل ہوا۔ اس نے تیمم کیا اور سجدہ میں گر پڑا۔ سجدہ کی حالت میں اس نے دعا کی: خدایا آج تو ہماری عزت رکھ لے اور ہماری مدد کر۔ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں کبھی شراب نہیں پیوں گا۔ اس نے یہ دعا کی اور اس کے بعد پڑوسی کی بندوق لی اور تھیلہ میں کارتوس بھر کر مجمع میں گھس گیا۔ اس نے چن چن کر تخریب کاروں کو اپنی بندوق کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ اگرچہ وہ خود بھی ہر وقت تخریب کاروں کے نشانہ کی زد پر تھا مگر اس وقت ڈر اس کے دل سے بالکل نکل گیا تھا۔ وہ پوری بے خوفی کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا۔ تخریب کاروں نے جب دیکھا کہ ان کے بہت سے ساتھی خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں اور "ہائے مار ڈالا" کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

قرآن میں ہے کہ اللہ کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے (فاطر ۱۰) مذکورہ مسلمان کی دعا کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اس نے جب اپنی دعا کے ساتھ شراب چھوڑنے کا عہد کیا تو اس نے ایک نیک عمل کیا۔ اس نیک عمل کی وجہ سے اس کی دعا اوپر اٹھ کر فوراً خدا کی بارگاہ میں پہنچی اور مقبول ہوئی۔ جب بھی آدمی اپنی دعا کے ساتھ اس قسم کا کوئی نیک عمل کرے تو اس کی دعا ضرور قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے۔ دعا کے ساتھ اس کے موافق نیک عمل دعا کے معاملہ میں آدمی کے سنجیدہ ہونے کا ثبوت ہے، اور جب آدمی اپنی مانگ میں سنجیدہ ہو تو اس کی مانگ ضرور پوری کی جاتی ہے۔

اس واقعہ کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ جب آدمی نے یہ کہا کہ "خدایا میں آج سے شراب کو چھوڑتا ہوں تو میری مدد کر" تو اس نے اپنی طاقت کو بڑھایا۔ کیوں کہ اب اس نے خدا کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اگر وہ صرف "خدایا مدد کر" کے الفاظ بولتا تو اس سے اس کے اندر وہ یقین نہ آتا۔ کیوں کہ یہ چھپا ہوا خیال پھر بھی اس کے دل میں باقی رہتا کہ میں خدا کو پکار رہا ہوں حالاں کہ میں خدا کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جب اس نے شراب چھوڑنے کا عزم کیا تو بھرپور طور پر اس کو یہ امید پیدا ہو گئی کہ اب خدا ضرور میری مدد کرے گا۔ کیونکہ اب اس نے اپنے اور خدا کے درمیان پڑے ہوئے پردہ کو ہٹا دیا تھا۔ پہلی صورت میں اس کی مثال اگر چور کی سی تھی تو اب اس کی مثال اس شخص کی سی ہو گئی جس نے سامان کی قیمت اس کے دکان دار کو ادا کر دی ہو۔ اس کی توبہ نے اس کو نڈر بنایا اور اس کی قوت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ توبہ کے فوراً بعد اس کے اندر سے احساس جرم نکل گیا۔ اس کا یہ اندیشہ مٹ گیا کہ میں خدا سے دور ہوں۔ اب وہ خدا کی مدد کو اپنے حق میں یقینی سمجھنے لگا۔ اس کے اور خدا کے درمیان جو رکاوٹ تھی جب اس رکاوٹ کو اس نے دور کر دیا تو اندیشوں کے تمام غبار اس کے دل سے ہٹ گئے۔ خدا اس کو اپنا نظر آنے لگا، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بنا چکا تھا۔

سیڑھی نہ کہ لفٹ

"موجودہ منزل تک میں سیڑھی سے پہنچا ہوں نہ کہ لفٹ سے" ایک ٹیلر ماسٹر نے کہا "ایک اچھا کوٹ تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کوٹ تیار کرنے کا پورا عمل اتنا پیچیدہ ہے کہ کوئی شخص کافی معلومات اور تجربہ کے بغیر اس کو بخوبی طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ میں نے اس راہ میں ایک عمر صرف کی ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکا ہے کہ میں شہر میں سلائی کی ایک دکان کامیابی کے ساتھ چلا سکوں۔"

ٹیلر ماسٹر نے اپنی کہانی بتاتے ہوئے کہا کہ ابتداءً میں نے ایک ٹیلر ماسٹر کی شاگردی کی۔ اس کے یہاں پانچ سال تک کوٹ کی سلائی اور کٹائی کا کام سیکھتا رہا۔ پانچ سال کی مسلسل محنت کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ میں ایک عام کوٹ سی سکتا تھا۔ مگر جب میں نے اپنی دکان کھول کر کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی بہت سے مسائل ہیں جن کو حل کرنا باقی ہے۔ ہر آدمی کا جسمانی ڈھانچہ الگ الگ ہوتا ہے اور کسی کوٹ کو پہننے والے شخص کے اپنے ڈھانچہ کے مطابق ہونا چاہئے۔ چنانچہ جو کوٹ میں تیار کرتا اکثر اس میں شکایت ہو جاتی۔ کیوں کہ اس میں گاہک کے اپنے جسمانی ڈھانچہ کے لحاظ سے کچھ فرق ہو جاتا اور کوٹ صحیح نہ آتا۔ اس تجربہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسانی جسم کی بناوٹ (اناٹومی) کے اچھے مطالعہ کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ میں ایک معیاری کوٹ تیار کر سکوں۔ میں ایک گریجویٹ تھا۔ میں نے باقاعدہ اناٹومی کا مطالعہ شروع کر دیا اور انسانی جسم کی اوپری ساخت کے بارے میں پوری معلومات حاصل کیں۔ اس مطالعہ میں مجھ کو مزید پانچ سال لگ گئے۔ اس طرح دس سال کی محنت کے بعد یہ ممکن ہوا کہ میں ہر شخص کے جسم سے ٹھیک ٹھیک مطابقت رکھنے والا کوٹ تیار کر سکوں۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کا بھی جن میں کبڑا پن یا اور کوئی جسمانی فرق ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا کوٹ بھی میں اس طرح تیار کر سکتا ہوں کہ کہیں کوئی شکن نہ ہو۔ ہر لحاظ سے ایک موزوں کوٹ تیار کرنے کے لئے بہت سی باتیں بطور خود جاننی پڑتی ہیں۔ کیوں کہ ہر چیز کا ناپ نہیں لیا جا سکتا۔ ایک ٹیلر ماسٹر جسم کے جن حصوں کا ناپ لیتا ہے اگر اس کا علم اتنا ہی ہو تو وہ کبھی ایک معیاری کوٹ تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ٹیلر ماسٹر نے اپنے فن کے بارے میں اس طرح کی اور بھی کئی باتیں بتائیں اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں "تعمیر ملت" کے موضوع پر ایک تجربہ کار آدمی کا لکچر سن رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے جو معاشی اور سماجی مسائل ہیں ان میں وہی طریقہ کارآمد ہے جس سے مذکورہ ٹیلر ماسٹر نے کامیابی حاصل کی۔ یعنی لفٹ کے بجائے سیڑھی سے چڑھنا۔ زندگی میں کوئی چھلانگ نہیں۔ یہاں ایسا کوئی بٹن نہیں ہے کہ آپ اس کو دبائیں اور اچانک ایک لفٹ متحرک ہو کر آپ کو اوپر پہنچا دے۔ یہاں تو زینہ بزینہ ہی سفر طے کیا جا سکتا ہے۔ آپ "سیڑھی" کے ذریعہ اپنی زندگی کو کامیاب بنا کر ایک لفٹ خرید سکتے ہیں مگر "لفٹ" کے ذریعہ اپنی زندگی کو کامیاب نہیں بنا سکتے۔

بہتر منصوبہ بندی سے

ایڈمرل ایس۔ این کوہلی (ہندوستانی بحریہ کے سابق چیف) نے نئی دہلی کی ایک تقریر میں کہا کہ کامیابی تمام تر ایک ذہنی چیز ہے۔ اگر آپ کے اندر ارادہ ہے تو آپ اپنے مقصد کی تکمیل کے راستے پالیں گے۔ اور اگر ارادہ نہیں ہے تو آپ یہ کہہ کر بیٹھ جائیں گے کہ "یہ نہیں ہوسکتا"۔ انھوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ ہند پاک جنگ (دسمبر ۱۹۷۱) میں ہندوستانی بحریہ کے پاس جو جنگی جہاز تھے وہ بنیادی طور پر دفاعی کارکردگی (Defensive Role) کے لئے بنائے گئے تھے۔ مگر انھیں جہازوں کو ہم نے اقدامی کارروائی کے لئے استعمال کیا۔ ہم نے کراچی بندرگاہ پر حملہ کیا اور اس میں اتنی شاندار کامیابی حاصل کی کہ فریق ثانی حیران ہو کر رہ گیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم بہتر ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دستیاب ساز و سامان کو ہوشیاری کے ساتھ استعمال کیا گیا:

only that the available equipment was intelligently used

ایڈمرل کوہلی نے جو اصول بتایا وہی اصول فرد کے لئے بھی ہے اور وہی قوم کے لئے بھی۔ کامیابی کا راز ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے اندر اپنے مقصد کے حصول کا پختہ ارادہ ہو اور اس کے بعد وہ یہ کرے کہ اس کے پاس جو وسائل موجود ہیں ان کو پوری احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے مقصد کو بروئے کار لانے میں لگا دے۔

انسان کی ناکامی کا راز بیشتر حالات میں یہ نہیں ہوتا کہ اس کے پاس وسائل نہ تھے۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ممکن وسائل کو صحیح طور پر استعمال نہ کر سکا۔ دیہات میں ایک صاحب نے پختہ گھر بنانے کا ارادہ کیا۔ ان کے وسائل محدود تھے۔ مگر انھوں نے اپنے تعمیری منصوبہ میں اس کا لحاظ نہیں کیا۔ انھوں نے پورے مکان کی نہایت گہری بنیاد کھدوائی، اتنی گہری جیسے کہ وہ قلعہ تیار کرنے جا رہے ہوں۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا: مجھے امید نہیں کہ ان کا گھر مکمل ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کی بیشتر اینٹ اور مسالا بنیادوں میں کھپ گیا اور اوپر کی تعمیر کے لئے ان کے پاس بہت کم سامان رہ گیا۔ بمشکل دیواریں کھڑی ہو سکیں اور ان پر چھت نہ ڈالی جا سکی۔ صرف ایک کمرہ پر کسی طرح چھت ڈال کر انھوں نے اپنے رہنے کا انتظام کیا۔ غیر ضروری طور پر گہری بنیادوں میں اگر وہ اینٹ اور مسالہ ضائع نہ کرتے تو ان کے پاس اتنا سامان تھا کہ مکان پوری طرح مکمل ہو جاتا۔ مگر غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ان کا مکان زمین کے اندر تو پورا بن گیا۔ مگر زمین کے اوپر صرف ادھورا ڈھانچہ کھڑا ہو کر رہ گیا۔

ہمت کے ذریعہ

سیف اللہ خاں (پیدائش ۱۹۵۲) ایک نوجوان انجینئر ہیں۔ وہ ٹونک (راجستھان) کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے گھر کے مالی حالات اچھے نہ تھے۔ ہائر سکنڈری میں انھوں نے سائنس لی تھی مگر اچھے نمبر نہ لا سکے۔ ہائر سکنڈری کا نتیجہ آیا تو اس نے ان کو صرف یہ خبر دی کہ وہ "علم کے دروازہ" میں داخل ہونے کی کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں۔

سیف اللہ خاں بازی ہار چکے تھے مگر وہ ہمت نہیں ہارے تھے۔ ہائر سکنڈری کے امتحان میں ناکامی نے ان کے اندر حوصلہ کا ایک نیا طوفان پیدا کر دیا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ گھر کے حالات ان کے لئے مزید تعلیمی جد وجہد کے سلسلہ میں حوصلہ افزا ثابت نہ ہوں گے۔ انھوں نے ایک نئے اقدام کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنا آبائی وطن ٹونک چھوڑ کر بھوپال چلے گئے اور جاتے ہوئے یہ کہہ گئے کہ اب میں ٹونک اسی وقت واپس آؤں گا جب کہ میں انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر لوں۔

سیف اللہ خاں بھوپال میں اکیلے تھے۔ مگر اکیلے ہو کر انھوں نے اپنے کو زیادہ طاقت ور بنا لیا تھا۔ اب نہ ان کے شاعر دوست تھے جو اپنی "تازہ غزل" سنا کر ان کا وقت چھیننے کی کوشش کریں۔ نہ گھر کے وہ حالات ان کے سامنے تھے جو ان کے ذہن کو مسلسل منتشر کرتے رہتے تھے۔ نہ وہ ماحول تھا جو ان کی ناکامی کو یاد دلا کر ان کے حوصلے پست کر دیتا تھا۔ اب وہ تھے اور ان کی جد وجہد تھی۔ انھوں نے ٹیوشن کے ذریعہ اپنی ضروریات کا انتظام کیا اور خاموشی کے ساتھ تعلیمی محنت میں لگ گئے۔ ہر سہارے کا ٹوٹنا ان کے لئے زیادہ بڑا سہارا بن گیا۔ کیوں کہ اس نے ان کی چھپی ہوئی تمام قوتوں کو جگا دیا تھا۔

سیف اللہ خاں نے بھوپال میں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے بے پناہ جد وجہد کی۔ پہلے انھوں نے انجینئرنگ کا ڈپلوما لیا۔ اس کے بعد ان کو بھوپال میں ایک ملازمت مل گئی۔ اب وہ ٹیوشن کی دوڑ دھوپ سے آزاد ہو گئے۔ تاہم انھوں نے تعلیم نہیں چھوڑی۔ ملازمت کے دوران ہی انھوں نے بھوپال سے ۔۔میل دور ودیشہ کے انجینئرنگ کالج میں داخلہ لیا اور بالآخر وہاں سے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر لی۔ تقریباً آٹھ سال تک ان کا معمول یہ تھا کہ صبح ۴ بجے اٹھنا، دو گھنٹہ ریل کے سفر کے بعد ودیشہ پہنچنا، وہاں کلاس میں حاضری دے کر واپس آنا اور پھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینا اور اس سے فراغت کے بعد کورس کی کتابیں پڑھنا۔ اس دوران ان کے گھر میں کئی اتار چڑھاؤ آئے۔ بھوپال کے تقریباً دس سالہ قیام میں ان کو طرح طرح کے خطوط ملتے رہے۔ مگر وہ ہر خط کو پڑھ کر نہایت خاموشی سے رکھ دیتے۔ وہ یکسوئی کے ساتھ ۱۰ سال تک اپنے عہد پر قائم رہے۔ انھوں نے کسی بات کا اثر لئے بغیر اپنی جد وجہد جاری رکھی۔ اپنے لئے کامیاب زندگی حاصل کرنے کی تڑپ نے ان کے اندرونی احساس کو اتنا طاقتور کر دیا کہ تمام ناموافق حالات کے باوجود انھوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور بالآخر اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

مشکلیں ہیرو بنا دیتی ہیں

اوہایو اسٹیٹ یونیورسٹی (امریکہ) میں ایک ادارہ ہے جس کا نام ہے آفات و حوادث کی تحقیق کا مرکز (Disaster Research Centre) یہ ادارہ ۱۹۶۳ میں قائم ہوا۔ اب تک اس نے ایک سو سے زیادہ تعداد میں مختلف قسم کی بڑی بڑی انسانی آفتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس نے پایا کہ غیر معمولی مشکل مواقع پر انسان کے اندر غیر معمولی طور پر چھپی قوتیں ابھر آتی ہیں جو اس کو حوادث کا شکار ہونے سے بچا لیتی ہیں۔ مثلاً ۱۹۶۱ میں ٹکساس میں زبردست قسم کا ساحلی طوفان آیا مگر اس طوفان میں اس علاقہ کے صرف آدھے ملین لوگوں نے اپنا مکان چھوڑا۔ ۵۰ فی صد سے زیادہ آبادی اپنے مکانوں میں جمی رہی۔ جب کہ اس طوفان کے آنے کی اطلاع چار دن پہلے دی جا چکی تھی۔ ۱۹۷۱ میں کیلیفورنیا کے زلزلہ میں ایک بہت بڑا ڈیم کمزور ہو گیا جس سے ۸۰ ہزار آبادی کے لئے سنگین خطرہ لاحق ہو گیا۔ مگر ایسے نازک حالات میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر جانے والوں کی تعداد صرف ۲ فی صد تھی۔

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ حادثات کا شکار ہو جانے کے بعد بھی اکثر لوگ پر امید رہتے ہیں۔ ٹیکساس کے دو شہروں میں ہولناک طوفان سے تباہ ہونے والے لوگوں سے ان کے مستقبل کے بارے میں پوچھا گیا۔ ۱۰ فی صد سے بھی کم لوگوں نے مستقبل کے بارے میں کسی اندیشہ کا اظہار کیا بقیہ تمام لوگ تباہی کے باوجود اپنے مستقبل کے بارے میں پر امید تھے۔ حوادث کے بارے میں اپنی لمبی تحقیق کا خلاصہ مذکورہ ادارہ کی رپورٹ میں ان الفاظ میں بتایا گیا ہے: واقعات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان مصیبتوں کے مقابلہ میں حیرت انگیز طور پر قابو یافتہ اور لچکدار واقع ہوئے ہیں۔ مصائب کے وقت انسان جس رویہ کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس کو دہشت اور گھبراہٹ کے بجائے ہیروازم کے لفظ سے تعبیر کرنا زیادہ صحیح ہوگا۔

In conclusion, the reality of events suggests that human beings are amazingly controlled and resilient in the face of adversity. Perhaps heroism — not panic or shock — is the right word to describe their most common behaviour in time of disaster.

انسان کو اس کے بنانے والے نے حیرت انگیز طور پر بے شمار صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ انہی میں سے ایک صلاحیت یہ ہے کہ عین بربادی کے کھنڈر میں کھڑا ہو کر بھی وہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اپنی نئی تعمیر کا منصوبہ سوچتا ہے اور بہت جلد اپنے نقصانات کی تلافی کر لیتا ہے۔ انسان کے اندر یہ فطری امکان ہم کو بہت بڑا سبق دے رہا ہے۔ کوئی فرد یا قوم اگر کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو اس کو ماتم اور شکایت میں ایک لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ خدا کی دی ہوئی صلاحیت کو بروئے کار لا کر اپنے کو دوبارہ اٹھانے کی کوشش میں لگ جانا چاہئے۔ عین ممکن ہے کہ حالات نے جہاں آپ کی کہانی ختم کر دینی چاہی تھی وہیں سے آپ کی زندگی کے ایک نئے شاندار باب کا آغاز ہو جائے۔

ڈر اس کے لئے علاج بن گیا

ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی (۱۹۱۳-۱۹۷۴) لکھنؤ میں مطب کرتے تھے۔ انھوں نے علاج معالجہ کے فن میں بڑی شہرت حاصل کی۔ ایک مرتبہ ایک مریض ان کے یہاں لایا گیا۔ مریض اتنا موٹا تھا کہ چل نہیں سکتا تھا۔ چھ آدمی اس کو چارپائی پر لٹا کر مطب میں لائے تھے۔ موٹاپے کی وجہ سے اس کا یہ حال تھا کہ وہ معمول کے مطابق سانس نہیں لے سکتا تھا سانس لیتے ہوئے اس کے منھ سے خرّاٹے جیسی آواز نکلتی تھی۔ چلنا پھرنا بہت پہلے سے بند تھا۔ اب معمولی حرکت بھی اس کے لئے دشوار تھی۔ حتیٰ کہ وہ کروٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔ ظاہر حالات کے مطابق وہ زندگی کے آخری مرحلہ میں تھا۔ کچھ لوگ دبلے ہو کر مرتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ موت اس کی طرف موٹاپے کی صورت میں آرہی ہے۔

ظاہر ہے کہ مریض مطب کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر فریدی کو اسے دیکھنے کے لئے باہر آنا پڑا۔ وہ باہر آئے تو مریض کو دیکھتے ہی انھوں نے زور زور سے کہنا شروع کیا ——— "اس کو فوراً لے جاؤ۔ اب اس آدمی میں کیا رہ گیا ہے۔ اس کو مشکل سے دو مہینے اور زندہ رہنا ہے۔ اس میں دوا کیا اثر کرے گی۔ اس کو یہاں سے لے جاؤ اور اس کے لئے آگے کا انتظام کرو۔" مریض کے متعلقین جو ساتھ آئے تھے انھوں نے بہت خوشامد کی کہ ڈاکٹر صاحب آپ کم از کم اس کا معائنہ تو کر لیں۔ مگر وہ کسی طرح اس کو ہاتھ لگانے پر تیار نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ فیس جو پہلے لی جا چکی تھی وہ بھی اسے لوٹا دی۔ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے تقریباً چھ مہینے بعد ایک شخص ڈاکٹر فریدی کے مطب میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی عمر ۶۰-۶۵ سال کے درمیان ہے۔ فربہ جسم مگر تندرست اور مطمئن معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ وہ مریض نہیں ہے بلکہ صرف ملاقات کے لئے آیا ہے۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے طنز کے انداز میں کہا: ڈاکٹر صاحب میں وہی شخص ہوں جس کو آپ نے دو مہینے میں مرجانے کی پیشین گوئی کی تھی۔ جس کے دوبارہ اچھے ہونے سے آپ اتنا مایوس تھے کہ آپ نے اس کا معائنہ کئے بغیر اس کو اپنے مطب سے لوٹا دیا تھا۔

بظاہر ڈاکٹر صاحب کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ معاف کرنا۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ وہ میرا ایک اندازہ تھا اور ڈاکٹر کا اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔ مگر وہاں ایسا نہیں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب آدمی کی رپورٹ سنتے ہی ہنس پڑے اور کہا: اسی لئے تو تم اچھے ہو گئے کہ میں نے دیکھے بغیر تم کو لوٹا دیا تھا۔ جب دو مہینے تک ہر روز تم کو اپنی زندگی کا ایک دن کم ہوتا نظر آیا تو تم ڈر کی وجہ سے دبلے ہونے لگے۔ یہی تمھارا علاج تھا۔ اب میری وہ فیس لاؤ جو میں نے اس وقت اس غرض سے واپس کر دی تھی کہ تمھارا ڈر اور زیادہ ہو جائے۔" ڈاکٹر صاحب کی زبان سے یہ بات سن کر آدمی بہت حیران ہوا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کے پیر چھو کر اس بات کا اقرار کیا کہ واقعہ ایسا ہی ہے۔ کسی دوا کے استعمال کے بغیر وہ محض ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے دبلا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا غیر ضروری موٹاپا ختم ہو گیا اور وہ تندرست ہو کر اپنا کام کرنے لگا۔

پرستش کی قسمیں

پرستش کسی صورت کا نام نہیں بلکہ پرستش ایک حقیقت کا نام ہے۔ کسی چیز سے سب سے زیادہ لگاؤ، کسی چیز کی برتری کا اتنا غلبہ کہ اس کے مقابلہ میں دوسری تمام چیزیں غیر اہم بن جائیں، یہی پرستش ہے اور اس اعتبار سے آدمی جس چیز کو اپنی زندگی میں شامل کرے وہ اس کی پرستش کر رہا ہے۔ خواہ وہ زبان سے کسی دوسری چیز کے پرستار ہونے کا اقرار کرتا ہو۔

جب آدمی ایک شخص کو یہ مقام دیتا ہے کہ اس کے آگے اس کی گردن جھک جائے تو وہ اس کی پرستش کرتا ہے۔ جب آدمی اپنے ایک فائدہ کو یہ اہمیت دیتا ہے کہ اس کی خاطر وہ دوسری تمام چیزوں کو نظر انداز کر دے تو وہ اس کی پرستش کرتا ہے۔ جب آدمی مال کو اس قابل سمجھتا ہے کہ وہ اس سے اپنی امیدیں اور تمنائیں وابستہ کرے تو وہ اس کی پرستش کرتا ہے۔

اسی طرح جب آدمی ایک رواج کو یہ حیثیت دیتا ہے کہ ہر دوسرے تقاضے سے بے پروا ہو کر وہ اس کو پورا کرے تو وہ رواج کی پرستش کرتا ہے۔ جب آدمی کسی کے خلاف ابھرنے والے نفسانی جذبات سے اتنا مغلوب ہوتا ہے کہ ہر دوسری چیز کو نظر انداز کر کے اس کو اپنے انتقامی جذبات کا نشانہ بناتا ہے تو وہ اپنے نفس کی پرستش کرتا ہے۔ جب آدمی معیار زندگی کے مسئلہ سے اتنا مرعوب ہوتا ہے کہ اپنے وقت اور کمائی کو تمام تر اپنے دنیوی معیار کو بڑھانے میں لگا دیتا ہے تو وہ معیار زندگی کی پرستش کرتا ہے۔ جب آدمی جاہ و مرتبہ کا اتنا حریص ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ دے کر اپنے کو اونچا اٹھانا چاہتا ہے تو وہ جاہ کی پرستش کرتا ہے ـــــ دنیا میں آدمی کا امتحان یہ ہے کہ ہر اعتبار سے وہ صرف ایک خدا کی پرستش کرے، پرستش میں اس کے ساتھ کسی بھی دوسری چیز کو شریک نہ کرے۔ اس کا لگاؤ، اس کا احترام، اس کی وابستگی، اس کا جھکنا، سب کچھ سب سے زیادہ صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔

جیسا بونا ویسا کاٹنا

کاٹنے کے دن وہی آدمی کھیتی کاٹتا ہے جس نے کاٹنے کا دن آنے سے پہلے کھیتی کی ہو اور وہی چیز کاٹتا ہے جو اس نے اپنے کھیت میں بوئی تھی۔ یہی معاملہ آخرت کا بھی ہے۔ آخرت میں ہر شخص کو وہی فصل ملے گی جو اس نے موت سے پہلے دنیا میں بوئی تھی۔ جو شخص حسد و عداوت اور ظلم و خود پرستی کے طریقوں پر چلتا رہا وہ گویا اپنی زمین میں کانٹے دار درخت کا بیج بو رہا ہے ایسا شخص آخرت میں کانٹے دار پھل پائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص انصاف اور خیر خواہی اور اعترافِ حق کا طریقہ اختیار کرے وہ گویا خوشبو دار درخت کا بیج بو رہا ہے۔ ایسا شخص آخرت میں خوشبودار پھلوں کا وارث بنے گا۔

آدمی دنیا میں سرکشی دکھاتا ہے پھر بھی یہ خیال کرتا ہے کہ آخرت میں وہ خدا کے فرماں بردار بندوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ وہ دنیا میں تخریبی سرگرمیوں میں مشغول رہتا ہے پھر بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ آخرت کے تعمیری نتائج میں اپنا حصہ پائے گا۔ وہ دنیا میں الفاظ کے اوپر اپنی زندگی کھڑی کرتا ہے پھر بھی یہ یقین رکھتا ہے کہ آخرت میں حقائق کی صورت میں اس کا انجام اس کی طرف لوٹے گا۔ اس کے پاس خدا کا پیغام آتا ہے مگر وہ اس کو نہیں مانتا پھر بھی وہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کے مقبول بندوں میں شامل کیا جائے گا۔

خدا انسان کو جنت کی طرف بلا رہا ہے جو ابدی آرام اور خوشیوں کی جگہ ہے۔ مگر وہ چند دن کی جھوٹی لذتوں میں کھویا ہوا ہے، وہ خدا کی پکار کی طرف نہیں دوڑتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں حاصل کر رہا ہوں حالانکہ وہ صرف کھو رہا ہے۔ دنیا میں مکان بنا کر وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی زندگی کی تعمیر کر رہا ہوں حالاں کہ وہ صرف ریت کی دیواریں کھڑی کر رہا ہے جو صرف اس لئے بنتی ہیں کہ بننے کے بعد ہمیشہ کے لئے گر پڑیں۔

خدا کے فرشتے

خدا نے اپنی قدرت خاص سے جو مخلوقات پیدا کی ہیں انھیں میں سے اس کی وہ نورانی مخلوق ہے جس کو فرشتہ کہا جاتا ہے ۔ یہ فرشتے بے شمار تعداد میں ہیں ۔ وہ کائنات کے ہر گوشے میں خدا کے احکام پہنچاتے رہتے ہیں اور خدا کے حکم کے تحت اس کی وسیع سلطنت کا انتظام کر رہے ہیں ۔

فرشتے خدا کے حد درجہ وفادار کارندے ہیں جو اس کے حکم کے تحت موجودات کے پورے کارخانے کو چلاتے ہیں ۔ زمین، سورج اور ستارے مسلسل حرکت کرتے ہیں مگر ان کی رفتار میں کروروں سال کے اندر بھی کوئی فرق نہیں آتا ۔ پانی اور بارش کا ایک زبردست نظام ہے جو زمین کے اوپر اربوں سال سے جاری ہے ۔ زمین کی سطح پر ہر آن طرح طرح کے درخت اور پودے نکل رہے ہیں ۔ انسان اور دوسرے زندہ اجسام روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور زمین پر اپنا رزق حاصل کرتے ہیں ۔ اس طرح کے ان گنت واقعات جو دنیا میں بہت بڑے پیمانہ پر ہو رہے ہیں وہ کیوں کر ہو رہے ہیں ۔ خدا کے رسولوں نے بتایا کہ یہ سب کا سب ایک خدائی نظام ہے جس کو وہ اپنے غیبی فرشتوں کے ذریعہ چلا رہا ہے ۔ خدا اور اس کی دوسری مخلوقات کے بیچ میں فرشتے ایک قسم کا درمیانی وسیلہ ہیں جن کے ذریعہ خدا اپنی تمام مخلوقات پر اپنے حکموں کا نفاذ کرتا ہے ۔ اسی طرح یہ فرشتے خدا کے پیغمبروں تک خدا کا کلام پہنچاتے ہیں ۔ وہ انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں ۔ ان کے ذریعہ خدا افراد اور قوموں پر اپنا انعام اتارتا ہے اور ان کو سزائیں دیتا ہے ۔ فرشتے انسان کی روح قبض کرتے ہیں ۔ انھیں فرشتوں کے ذریعہ وہ صور پھونکا جائے گا جو تمام عالم کو درہم برہم کر دے گا اور پھر کچھ لوگ جنت میں جگہ پائیں گے اور کچھ لوگ جہنم میں ۔

اتحاد کی طاقت

کسی شخص نے کبھی یہ نہیں سنا ہوگا کہ سورج کی گرمی سے کاغذ جل گیا۔ حالاں کہ سورج کی گرمی اتنی زیادہ ہے کہ کاغذ تو کیا پورا پہاڑ بلکہ سارا کرۂ ارض اس طرح جل سکتا ہے جیسے کسی بھڑکتے ہوئے تنور میں ایک تنکا۔ مگر یہی سورج جس کی گرمی اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے جنگلوں اور پہاڑوں کو بھک سے اڑا دے وہ موجودہ حالت میں ایک تنکے کو بھی جلانے پر قادر نہیں ہے، ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی شعاعیں لاکھوں کروروں میل کے دائرے میں بکھری ہوئی ہیں۔ اس انتشار کی وجہ سے کسی ایک چیز پر بیک وقت اس کی شعاعیں اتنی مقدار میں نہیں پڑتیں کہ وہاں وہ اتنی گرمی پیدا کر سکیں جو کسی چیز کو جلانے کے لئے ضروری ہے۔ حالاں کہ یہی بکھری ہوئی شعاعیں اگر سمیٹ دی جائیں تو وہ خوفناک الاؤ کی شکل میں بھڑک سکتی ہیں۔

آفتابی چولھا سورج کی شعاعوں کے اسی قسم کے ارتکاز کا نام ہے۔ بکھری ہوئی شعاعوں کو ایک خاص دائرے میں سمیٹ دینے کی وجہ سے اس جگہ اتنی گرمی پیدا ہو جاتی ہے کہ کھانا پکنے لگتا ہے۔ آفتابی چولھا تو ابھی بہت کم رائج ہو سکا ہے مگر آتشیں شیشہ (Burning Glass) ایک ایسی چیز ہے جو اکثر اشخاص نے کبھی نہ کبھی دیکھا ہوگا۔ آتشیں شیشہ کیا ہے۔ یہ ایک محدب یا گردی عدسہ (Convex Lens) ہے جس سے کاغذ یا دوسری آتش پذیر چیزوں میں آگ لگائی جا سکتی ہے۔ عام حالات میں کاغذ پر سورج کی جو شعاعیں پڑتی ہیں، وہ اتنی زیادہ گرمی نہیں پیدا کر سکتیں کہ اس میں آگ لگ جائے۔ مگر انھیں شعاعوں کو جب مجتمع کر دیا جاتا ہے تو وہ شعلہ کی مانند بھڑک اٹھتی ہیں۔ کوئی بھی شخص تجربہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ لنس ان شعاعوں کو طاقت ور بنانے کے لئے کیا کرتا ہے۔ ذیل کے نقشہ میں شعاعیں آتشیں شیشہ سے گزر کر مڑ رہی ہیں۔

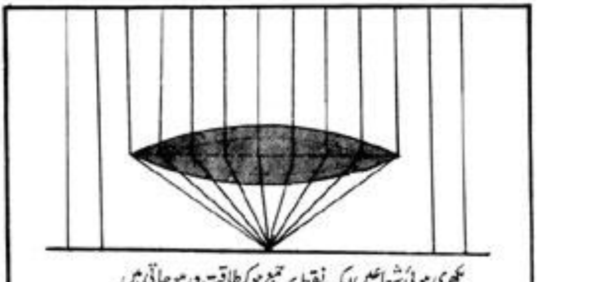

بکھری ہوئی شعاعیں ایک نقطہ پر جمع ہو کر طاقت ور ہو جاتی ہیں

اس نقشہ کے مطابق آتشیں شیشہ کا تمام تر عمل صرف یہ ہے کہ وہ ان شعاعوں کو جمع کرے جو لنس کے پورے دائرے میں پڑ رہی ہیں اور ان کو اس طرح موڑے یا منعطف کردے کہ وہ سب اکٹھا ہوکر ایک محدود رقبہ پر پڑنے لگیں۔ سورج کی شعاعوں کا یہ اجتماع اس محدود رقبہ میں اتنی حرارت پیدا کر دیتا ہے کہ کاغذ جلنے لگتا ہے۔

یہ مثال ہم نے یہ واضح کرنے کے لئے دی ہے کہ انتشار اور اجتماع میں کیا فرق ہے۔ ایک ہی چیز اگر منتشر حالت میں ہو تو وہ بے وزن ہے۔ لیکن اگر اسے اکٹھا کر دیا جائے تو اتنی زبردست طاقت بن سکتی ہے جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ہندستان کے مسلمان اس وقت جس کمزوری کی حالت میں اپنے آپ کو محسوس کرتے ہیں وہ حقیقۃً اتنے کمزور نہیں ہیں، یہ کمزوری ان کے انتشار کی پیدا کردہ ہے۔ اگر وہ اپنے درمیان اجتماعیت کا آتشیں شیشہ فراہم کرلیں اور انفرادی طور پر بکھری ہوئی شعاعوں کو ایک مقام پر مجتمع کر دیں تو یکایک وہ دیکھیں گے کہ جو شعاعیں الگ الگ ہونے کی صورت میں تنکا جلانے کے لئے بھی ناکافی نظر آتی تھیں، انھیں کی گرمی سے شہتیر بھڑک اٹھا ہے۔ ہماری موجودہ تعداد اور موجودہ ذرائع و وسائل جو منفرد طور پر بالکل بے قیمت نظر آتے ہیں، یہی تعداد اور یہی ذرائع کروروں گنا زیادہ اہمیت اختیار کرلیں گے۔ آج ہر مسلمان اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ اس وقت ہر شخص اپنے کو ایک پوری قوم کی مانند سمجھنے لگے گا۔ اور جب ایسا ہوگا تو دوسرے بھی ہم کو اسی نظر سے دیکھیں گے جیسا کہ فی الواقع ہم اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ ہندستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ بتائی جاتی ہے۔ یہ دس کروڑ افراد گویا دس کروڑ دھاگے ہیں، اگر وہ الگ الگ ہوں تو کوئی شخص بھی انھیں باری باری توڑ سکتا ہے۔ لیکن یہی دس کروڑ دھاگے اگر بل جائیں تو وہ اتنا مضبوط رسا بن جائیں گے جنھیں ایک ہاتھ تو کیا سیکڑوں ہاتھ بھی توڑنے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ جو چیز الگ سے دیکھنے میں محض ایک دھاگا ہے وہ اتحاد کی برکت سے موٹے رسے کا مقام حاصل کرے گی۔ قطرہ سمندر میں ہو تو وہ سمندر ہے اور باہر ہو تو وہ قطرہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہ اتحاد اور اجتماعیت موجودہ حالات میں مسلمانوں کی شدید ترین ضرورت ہے۔ اس کے بغیر حالات کے سدھار کے لئے کوئی مؤثر کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اصلاح حال کی ہر تجویز اپنی کامیابی کے لئے یہ چاہتی ہے کہ مسلمان ایک نقطہ پر جمع ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ ذرائع و وسائل اس کے لئے مہیا ہوسکیں، زیادہ سے زیادہ حمایت کے ساتھ اس کو مؤثر بنایا جاسکے، جب وہ دنیا کے سامنے آئے تو لوگوں کو وہ زیادہ سے زیادہ وقیع اور باوزن معلوم ہو۔

کوئی بھی اجتماعیت، خواہ وہ کتنے ہی ہلکے درجہ کی ہو، بہرحال قربانی چاہتی ہے ——— وقت کی قربانی، رائے کی قربانی، حیثیت کی قربانی، ذاتی مفادات کی قربانی۔ کبھی ایسا ہوگا کہ ذاتی دائرہ میں آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کا وقت ضائع ہورہا ہے، مگر قوم کو اس کی ضرورت ہوگی، کبھی اپنی رائے کو محض اس لئے

چھوڑنا ہوگا کہ دوسروں کو آپ اس کا قائل نہیں کر سکے اور اشتراک کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ آپ اپنی رائے سے عملی طور پر دست بردار ہو جائیں۔ کبھی آپ دیکھیں گے کہ اجتماعی ڈھانچہ میں آپ کی حیثیت گھٹ رہی ہے مگر اس کے باوجود ڈھانچہ کو برقرار رکھنے کے لئے آپ اپنی حیثیت کو نظر انداز کر دیں گے۔ کبھی اجتماعی تقاضے آپ کے ذاتی مفادات کو متاثر کرنے لگیں گے۔ ضرورت پکارے گی کہ اس وقت اپنا سرمایہ ذاتی خواہش میں نہیں بلکہ قوم کے کام میں لگاؤ اور آپ اس پکار کو لبیک کہیں گے، کبھی ذاتی اور خاندانی مصالح پر قوم کی مصالح کو ترجیح دینا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایک ایسے معاشرہ میں یہ اجتماعیت قائم نہیں ہو سکتی جہاں صدارت اور نظامت حاصل کرنے کے لئے رسہ کشی ہوتی ہو۔ جہاں قوم کے پڑھے لکھے لوگ محض بیرونی ملکوں کی سیاحت کی قیمت پر اس کے لیے راضی ہو جائیں کہ وہ باہر جاکر قوم کی غلط نمائندگی کریں۔ جس کے افراد کو محض ایک اچھا عہدہ دے کر خریدا جا سکتا ہو، جہاں ایک مسلم گروہ دوسرے مسلم گروہ کو شکست دینے کے لئے قوم کے دشمنوں سے مل جاتا ہو، جہاں یہ حال ہو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے خفا ہو تو پولیس کے دفتر میں اس کے خلاف مخبری کرنے پہنچ جائے۔ جہاں نظر آئے کہ کچھ لوگ ایک ملی کام کے لئے اٹھیں تو بقیہ لوگ اس کا تعاون کرنے کے بجائے یہ سوچنے لگیں کہ کہیں یہ میدان ہمارے ہاتھ سے نہ جائے اور فوراً اسی کام کے لئے ایک اور علیحدہ تنظیم قائم کر کے لوگوں کو اپنی طرف بلانا شروع کر دیں، جہاں ملت کی ضروریات، خدمت کرنے کا میدان نہ ہوں بلکہ لیڈری حاصل کرنے کا سستا ذریعہ بن جائیں۔ جہاں لوگ اجتماعی احساس سے اس قدر ناآشنا ہوں کہ اختلافات پر گالی گلوج ہونے لگے اور ترک کلام کی نوبت آجائے۔ جہاں لوگوں کی سطحیت کا عالم یہ ہو کہ اتحاد کے بجائے اختلاف کے اجزاء ڈھونڈتے ہوں، جہاں گروہ بندی اس شدت کو پہنچی ہوئی ہو کہ اپنے دائرہ سے باہر نہ کسی حق کو تسلیم کریں اور نہ اپنے سوا کسی کو کام کرنے کا اہل سمجھتے ہوں۔ جہاں پستی کا یہ عالم ہو اور جہاں اجتماعی اوصاف کی اس درجہ کمی ہو وہاں تمام لوگ آخر ایک مشترک پلیٹ فارم پر جمع کس طرح ہوں گے ۔۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سب سے ضروری کام یہ ہے کہ قوم کو اخلاقی پستی سے نکالا جائے اور اس کے اندر اجتماعی احساس پیدا کیا جائے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ ہمارے اندر کوئی اجتماعیت برپا ہو سکے۔

اتحاد اور اجتماعیت کے بغیر ہمارا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اور اتحاد اور اجتماعیت ایسی چیز ہے جو پوری طرح ہمارے بس میں ہے۔ وہ کسی بھی طرح ہمارے لئے ناممکن نہیں۔ بقیہ تمام چیزوں کے لئے دوسروں کو بدلنا پڑتا ہے۔ جب کہ اتحاد قائم کرنے کے لئے ہمیں صرف اپنے آپ کو بدلنا ہے۔ اب اگر ایک ایسے امکان کو بھی ہم حاصل نہیں کرتے جو خود ہمارے اپنے بس میں ہو تو تاریخ ہم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ مستقبل کا مورخ یقیناً ہم کو مجرم ٹھہرائے گا، خواہ اپنے طور پر ہم دوسروں کو اپنی مصیبت کا ذمہ دار سمجھتے ہوں۔

(ماہنامہ الفرقان جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ)

اے ایمان والو، تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا۔ وہ مسلمانوں کے لئے نرم اور کافروں کے اوپر سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔ تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے ۵۴-۵۶

ایمان لانے کے بعد جو شخص ایمان کے تقاضے پورے نہ کرے وہ اللہ کی نظر میں دین کو قبول کرنے کے بعد دین سے پھر گیا۔ اللہ کی نظر میں سچے ایمان والے لوگ وہ ہیں جن کے اندر ایمان اس طرح داخل ہو کہ ان کو محبت کی سطح پر اللہ سے تعلق پیدا ہو جائے۔ ان کو اسلامی مقاصد کی تکمیل اتنی عزیز ہو کہ جو لوگ اسلام کی راہ میں ان کے بھائی بنیں ان کے لئے ان کے دل میں نرمی اور ہمدردی کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔ وہ مسلمانوں کے لئے اس درجہ شفیق بن جائیں کہ ان کی طاقت اور ان کی صلاحیت کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں استعمال نہ ہو۔ وہ دین کے کے معاملہ میں اتنے پختہ ہوں کہ غیر اسلامی لوگوں کے افکار و اعمال سے کوئی اثر قبول نہ کریں۔ ان کے جذبات اس درجہ اصول کے تابع ہو جائیں کہ مسلمانوں کے لئے وہ پھول سے زیادہ نازک ثابت ہوں مگر نامسلمانوں کے لئے وہ پتھر سے زیادہ سخت بن جائیں۔ کوئی نامسلمان کبھی ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہ کر سکے۔

اسلامی زندگی ایک بامقصد زندگی ہے اور اسی لئے وہ جدوجہد کی زندگی ہے۔ مسلمان کا مشن یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو اللہ کے تمام بندوں تک پہنچائے۔ جہنم کی طرف جاتی ہوئی دنیا کو جنت کے راستہ پر لانے کی کوشش کرے۔ اس کام کے فطری تقاضے کے طور پر آدمی کے سامنے طرح طرح کی مشکلیں اور طرح طرح کی ملامتیں پیش آتی ہیں۔ حتیٰ کہ دو الگ الگ گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک دنیا پرستوں کا اور دوسرا آخرت کے مسافروں کا۔ ان کے درمیان ایک مستقل کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ آدمی کا امتحان یہ ہے کہ ان سارے مواقع پر وہ اس انسان کا ثبوت دے جو اللہ کے بھروسہ پر چل رہا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی پروا کئے بغیر اپنا اسلامی سفر جاری رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کے دروازہ میں داخل ہو کر خدا کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

اس طرح کے لوگ کسی مقام پر جب قابل لحاظ تعداد میں پیدا ہو جائیں تو زمین کا غلبہ بھی انھیں کے لئے مقدر کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی ان کا مرکز توجہ تمام تر اللہ بن جاتا ہے۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یعنی ان کے باہمی تعلقات ایک دوسرے کی خیر خواہی پر قائم ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے آگے جھکنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی معاملات دنیا میں کوئی بھی چیز ان کو انانیت پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ وہ ہر موقع پر وہی کرتے ہیں جو اللہ چاہے۔ وہ تواضع اختیار کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ سرکشی کرنے والے۔

اے ایمان والو، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ہے، ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور نہ کافروں کو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو۔ اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنالیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔ کہو کہ اے اہلِ کتاب، تم ہم سے صرف اس لئے ضد رکھتے ہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر جو ہم سے پہلے اترا۔ اور تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔ کہو کیا میں تم کو بتاؤں وہ جو اللہ کے یہاں انجام کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ وہ جس پر خدا نے لعنت کی اور جس پر اس کا غضب ہوا۔ اور جن میں سے بندر اور سور بنادیے اور انھوں نے شیطان کی پرستش کی۔ ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر اور راہِ راست سے بہت دور ہیں ۶۰ — ۵۷

وہ لوگ جو خود ساختہ دین کی بنیاد پر خدا پرستی کے اجارہ دار بنے ہوئے ہوں ان کے درمیان جب سچے اور بے آمیز دین کی دعوت اٹھتی ہے تو اس کے خلاف وہ اتنی شدید نفرت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنی معقولیت تک کھو بیٹھتے ہیں۔ حتی کہ ایسی چیزیں جو بلا اختلاف قابل احترام ہیں ان کا بھی مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ یہی مدینہ کے یہود کا حال تھا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی اذان کا مذاق اڑانے سے بھی نہیں رکتے تھے۔ جو لوگ اتنے بے حس اور اتنے غیر سنجیدہ ہوجائیں ان سے ایک مسلمان کا تعلق دعوت کا تو ہوسکتا ہے مگر دوستی کا نہیں ہوسکتا۔

ان لوگوں کی خدا سے بے خوفی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ سچے مسلمانوں کو مجرم سمجھتے ہیں اور اپنے تمام جرائم کے باوجود اپنے متعلق یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا کے یہاں بالکل درست ہے۔ جب وہ اپنی اس کیفیت کی اصلاح نہیں کرتے تو بالآخر ان کی بے حسی ان کو اس نوبت تک پہنچاتی ہے کہ ان کی عقل حق و باطل کے معاملہ میں کند ہوجاتی ہے۔ وہ شکل کے اعتبار سے انسان مگر باطن کے اعتبار سے بدترین جانور بن جاتے ہیں۔ وہ لطیف احساسات جو آدمی کے اندر خدا کے چوکیدار کی طرح کام کرتے ہیں، جو اس کو برائیوں سے روکتے ہیں وہ ان کے اندر ختم ہوجاتے ہیں۔ مثلاً حیاء، شرافت، وسعت ظرف، پاکیزہ طریقوں کو پسند کرنا، وغیرہ۔ اس گراوٹ کا آخری درجہ یہ ہے کہ آدمی کی پوری زندگی شیطانی راستوں پر چل پڑے۔ جب کوئی گروہ اس نوبت کو پہنچتا ہے تو وہ لعنت کا مستحق بن جاتا ہے، وہ خدا کی رحمت سے آخری حد تک دور ہوجاتا ہے۔ اس کی انسانیت مسخ ہوجاتی ہے وہ فطرت کے سیدھے راستہ سے بھٹک کر جانوروں کی طرح جینے لگتا ہے۔

انسان کو اپنی خواہشوں کے پیچھے چلنے سے جو چیز روکتی ہے وہ عقل ہے۔ مگر جب آدمی پر ضد اور عداوت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی عقل اس کی خواہش کے نیچے دب کر رہ جاتی ہے۔ اب وہ ظاہر میں انسان مگر باطن میں حیوان ہوتا ہے۔ حتی کہ صاحب بصیرت آدمی اس کو دیکھ کر جان لیتا ہے کہ اس کے ظاہری انسانی ڈھانچہ کے اندر کون سا حیوان چھپا ہوا ہے۔

اور جب وہ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کافر آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جسے وہ چھپا رہے ہیں۔ اور تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں۔ کیسے برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کے مشائخ اور علماء ان کو کیوں نہیں روکتے گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔ کیسے برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں ۶۳ — ۶۱

مدینہ کے یہودیوں میں کچھ لوگ تھے جو اسلام سے ذہنی طور پر مرعوب تھے۔ نیز اسلام کا بڑھتا ہوا غلبہ دیکھ کر کھلم کھلا اس کا حریف بننا بھی نہیں چاہتے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ اندر سے اپنے آبائی دین پر جمے ہوئے تھے مگر الفاظ بول کر ظاہر کرتے تھے کہ وہ بھی مومن ہیں۔ ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ اصل معاملہ کسی انسان سے نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ اور خدا وہ ہے جو دلوں تک کا حال جانتا ہے۔ وہ کسی سے جو معاملہ کرے گا حقیقت کے اعتبار سے کرے گا نہ کہ ان الفاظ کی بنا پر جو اس نے مصلحت کے طور پر اپنے منھ سے نکالا تھا۔

یہود کے خواص میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک ربّی جن کو مشائخ کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے احبار جو ان کے علماء اور فقہا کی مانند تھے۔ دونوں قسم کے لوگ اگرچہ دین ہی کو اپنا صبح وشام کا مشغلہ بنائے ہوئے تھے۔ دین کے نام پر ان کی قیادت قائم تھی اور دین ہی کے نام پر ان کو بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں۔ مگر ان کی قیادت ومقبولیت کا راز عوام پسند دین کی نمائندگی تھی نہ کہ خدا پسند دین کی نمائندگی۔ ان کا بولنا اور ان کا چلنا بظاہر دین کے لئے تھا مگر حقیقۃً وہ ایک قسم کی دنیاداری تھی جو دین کے نام پر جاری تھی۔ وہ دین کے نام پر لوگوں کو وہی چیز دے رہے تھے جس کو وہ دین کے بغیر اپنے لئے پسند کئے ہوئے تھے۔

خدا کا پسندیدہ دین تقویٰ کا دین ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی لوگوں کے درمیان اس طرح رہے کہ اس کی زبان گناہ کے کلمات نہ بولے، وہ اپنی سرگرمیوں میں حرام طریقوں سے پوری طرح بچتا ہو۔ جن لوگوں سے اس کا معاملہ پیش آئے ان کے ساتھ وہ انصاف کرنے والا ہو نہ کہ ظلم کرنے والا۔ مگر آدمی کا نفس ہمیشہ اس کو دنیا پرستی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ وہ ایسی زندگی گزارنا چاہتا ہے جس میں اس کو صحیح اور غلط نہ دیکھنا ہو بلکہ صرف اپنے فائدوں اور مصلحتوں کو دیکھنا ہو۔ یہود کے عوام اسی حالت پر تھے۔ اب ان کے خواص کا کام یہ تھا کہ وہ ان کو اس سے روکتے۔ مگر انھوں نے عوام سے ایک خاموش مفاہمت کر لی۔ وہ عوام کے درمیان ایسا دین تقسیم کرنے لگے جس میں اپنی حقیقی زندگی کو بدلے بغیر نجات کی ضمانت ہو اور بڑے بڑے درجات طے ہوتے ہوں۔ یہ خواص اپنے عوام کی حقیقی زندگیوں کو نہ چھیڑتے البتہ ان کو ملت یہود کی فضیلت کے جھوٹے قصے سناتے۔ ان کے قومی ہنگاموں کو دین کے رنگ میں بیان کرتے۔ رسمی قسم کے اعمال دہرا دینے پر یہ بشارت دیتے کہ ان کے ذریعہ سے ان کے لئے جنت کے محل تعمیر ہو رہے ہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت برا کام ہے کہ لوگوں کے درمیان ایسا دین تقسیم کیا جائے جس میں حقیقی عملی زندگی کو بدلنا نہ ہو، البتہ کچھ نمائشی چیزوں کا اہتمام کر کے جنت کی ضمانت مل جائے

اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انھیں کے ہاتھ بندھ جائیں اور لعنت ہو ان کو اس کہنے پر بلکہ خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور تمھارے اوپر تمھارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ اترا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور انکار کو بڑھا رہا ہے۔ اور ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے۔ جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔ اور وہ زمین میں فساد پھیلانے میں سرگرم ہیں۔ حالاں کہ اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۶۴

قرآن میں جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر زور دیا گیا اور کہا گیا کہ اللہ کو قرض حسن دو تو یہود نے اس کو مذاق کا موضوع بنا لیا۔ وہ کہتے کہ اللہ فقیر ہے اور اس کے بندے امیر ہیں۔ اللہ کے ہاتھ آج کل تنگ ہو رہے ہیں۔ ان کی اس قسم کی باتوں کا رخ خدا کی طرف نہیں بلکہ رسول اور قرآن کی طرف ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا اس سے برتر ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی ہو۔ اس طرح کی باتیں وہ دراصل یہ ظاہر کرنے کے لیے کہتے تھے کہ رسول سچا رسول نہیں۔ اور قرآن خدا کی کتاب نہیں۔ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہوتا تو (نعوذ باللہ) ایسی مضحکہ خیز باتیں اس میں نہ ہوتیں۔ مگر جو لوگ اس قسم کی باتیں کریں وہ صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ حقیقی دینی جذبہ سے خالی ہیں، وہ بے حسی کی سطح پر جی رہے ہیں۔

موجودہ امتحانی دنیا میں انسان کو عمل کی آزادی ہے۔ یہاں ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ "قرآن خدا کی کتاب ہے" اور اگر کوئی شخص یہ کہنا چاہے کہ "قرآن ایک بناوٹی کتاب ہے" تو اس کو بھی اپنی بات کہنے کے لیے الفاظ مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں آدمی ایک واقعہ سے ہدایت پکڑ سکتا ہے اور اسی واقعہ سے دوسرا آدمی سرکشی کی غذا بھی لے سکتا ہے۔

یہود نے جب قرآن کی ہدایت کو ماننے سے انکار کیا تو وہ سادہ معنوں میں محض انکار نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے ان کا یہ زعم شامل تھا کہ ہم تو نجات یافتہ لوگ ہیں، ہمیں کسی اور ہدایت کو ماننے کی کیا ضرورت۔ جو لوگ اس قسم کی پُر فخر نفسیات میں مبتلا ہوں ان کے اندر شدید ترین قسم کی انانیت جنم لیتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں جب ان کا معاملہ دوسروں سے پڑتا ہے تو وہاں بھی وہ اپنی "میں" کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ آپس کے اختلاف اور عناد کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

پیغمبر کی دعوت یہ ہوتی ہے کہ آدمی بھی اسی اطاعت خداوندی کے دین کو اپنا لے جس کو کائنات کی تمام چیزیں اپنائے ہوئے ہیں۔ یہی زمین کی اصلاح ہے۔ اب جو لوگ پیغمبرانہ دعوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں وہ خدا کی زمین میں فساد پیدا کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ تاہم انسان کو بس اتنی ہی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے اندر کے فساد کو باہر لائے، دوسروں کی قسمت کا مالک بننے کی آزادی کسی کو نہیں۔

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔ اور اگر وہ تورات اور انجیل کی پابندی کرتے اور اس کی جو ان پر ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے تو وہ کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے۔ کچھ لوگ ان میں سیدھی راہ پر ہیں۔ لیکن زیادہ ان میں ایسے ہیں جو بہت برا کر رہے ہیں ۶۶-۶۵

تمام گمراہیوں کا اصل سبب آدمی کا ڈھیٹ ہو جانا ہے۔ اگر آدمی اللہ سے ڈرے تو اس کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگ سکتی کہ کون سی بات خدا کی طرف سے آئی ہوئی بات ہے۔ ڈر کی نفسیات اس کے اندر سے دوسرے تمام محرکات کو حذف کر دے گی اور آدمی خدا کی بات کو فوراً پہچان کر اس کو مان لے گا۔ جب آدمی اس حد تک اپنے آپ کو خدا کی طرف متوجہ کر دے تو اس کے بعد وہ بھی خدا کی توجہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ خدا اس کی بشری کمزوریوں کو اس سے دھو دیتا ہے اور مرنے کے بعد اس کو جنت کے نعمت بھرے باغوں میں جگہ دیتا ہے۔ آدمی کی برائیاں، بالفاظ دیگر اس کی نفسیاتی کمزوریاں وہ چیزیں ہیں جو اس کو جنت کے راستہ پر بڑھنے نہیں دیتیں۔ خدا کی توفیق سے جو شخص اپنی نفسیاتی کمزوریوں پر قابو پالیتا ہے وہی جنت کی منزل تک پہنچتا ہے۔

جب بھی حق کی دعوت اٹھتی ہے تو وہ لوگ اس سے متوحش ہو جاتے ہیں جو سابقہ نظام کے تحت سرداری کا مقام حاصل کئے ہوئے ہوں۔ ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کو قبول کرتے ہی ان کے معاشی مفادات اور ان کی قائدانہ عظمتیں ختم ہو جائیں گی۔ مگر یہ صرف تنگ نظری ہے۔ ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ جس چیز کو وہ توحش کی نظر سے دیکھ رہے ہیں وہ صرف ان کی اہلیت کو جانچنے کے لئے ظاہر ہوئی ہے۔ آئندہ وہ خدا کے انعامات کے مستحق ہوں یا نہ ہوں اس کا فیصلہ ان کی اپنی تحفظاتی تدبیروں پر نہیں ہوگا بلکہ اس پر ہوگا کہ دعوت حق کے ساتھ وہ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ گویا دعوت حق کے انکار کے ذریعہ وہ اپنی جس بڑائی کو بچانا چاہتے ہیں وہی انکار وہ چیز ہے جو خدا کے نزدیک ان کے استحقاق کو ختم کر رہا ہے۔

آسمانی کتاب کی حامل قوموں میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ اصل خدائی تعلیمات میں افراط یا تفریط (بڑھا کر یا گھٹا کر) وہ ایک خود ساختہ دین بنالیتی ہیں اور لمبی مدت گزرنے کے بعد اس کے افراد اس سے اس قدر مانوس ہو جاتے ہیں کہ اسی کو اصل خدائی مذہب سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب خدا کا سیدھا اور سچا دین ان کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کو اپنے لئے غیر مانوس پاکر متوحش ہوتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا۔ چنانچہ ان کی بہت بڑی اکثریت اسلام کی صداقت کو پانے سے قاصر رہی۔ صرف چند لوگ (مثلاً نجاشی شاہ حبش، عبداللہ بن سلام وغیرہ) جو اعتدال کی راہ پر باقی تھے، انھیں اسلام کی صداقت کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ انھوں نے بڑھ کر اسلام کو اس طرح اپنا لیا جیسے وہ پہلے سے اسی راستہ پر چل رہے ہوں اور اپنے سفر کے تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے ہوں۔

اے پیغمبر، جو کچھ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے اس کو پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے
اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا۔ اللہ یقیناً منکر لوگوں کو راہ نہیں دیتا ۶۷

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب عرب میں آئے تو ایسا نہ تھا کہ وہاں دین کا نام لینے والا کوئی نہ ہو۔ بلکہ ان کا سارا معاشرہ دین ہی کے نام پر قائم تھا۔ دین کے نام پر بہت سے لوگ پیشوائی اور قیادت کا مقام حاصل کئے ہوئے تھے۔ دین کے نام پر لوگوں کو بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں۔ دینی مناصب کا حامل ہونا معاشرہ میں عزت اور فخر کی علامت بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود آپ کو عرب کے لوگوں کی طرف سے سخت ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دین خداوندی کے نام پر ان کے یہاں ایک خود ساختہ دین رائج ہو گیا تھا۔ صدیوں کی روایات کے نتیجہ میں اس دین کے نام پر گدیاں بن گئی تھیں اور مفادات کی بہت سی صورتیں قائم ہو گئی تھیں۔ ایسے ماحول میں جب پیغمبر اسلام نے بے آمیز دین کی دعوت پیش کی تو لوگوں کو نظر آیا کہ وہ ان کی دینی حیثیت کو بے اعتبار ثابت کر رہی ہے۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہ دین پھیلا تو ان کا وہ مذہبی ڈھانچہ ڈھ جائے گا جس میں ان کو بڑائی کا مقام ملا ہوا ہے۔

یہ صورت حال داعی کے لئے بہت سخت ہوتی ہے۔ اپنے دعوتی کام کو کھلے طور پر انجام دینا وقت کی مذہبی طاقتوں سے لڑنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ اس کو دکھائی دیتا ہے کہ اگر میں کسی مصالحت کے بغیر سچے دین کی تبلیغ کروں تو مجھ کو سخت ترین ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میرا مذاق اڑایا جائے گا۔ مجھ کو بے عزت کیا جائے گا۔ میری معاشیات تباہ کی جائیں گی۔ میرے خلاف جارحانہ کارروائیاں ہوں گی۔ میں اعوان و انصار سے محروم ہو جاؤں گا۔

اب اس کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں۔ دعوتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں دنیوی مصلحتوں کے سرے ہاتھ سے چھوٹتے ہیں۔ اور اگر دنیوی مصلحتوں کا لحاظ کیا جائے تو دعوتی عمل کی پوری انجام دہی ناممکن نظر آتی ہے۔ یہاں خدا کا وعدہ داعی کو یکسو کرتا ہے۔ خدا کا وعدہ ہے کہ داعی اگر اپنے آپ کو خدا کے پیغام کی پیغام رسانی میں لگا دے تو لوگوں کی طرف سے ڈالی جانے والی مشکلات میں خدا اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔ داعی کو چاہئے کہ وہ صرف دعوت کے تقاضوں کی تکمیل میں لگ جائے اور مدعو قوم کی طرف سے ڈالے جانے والے مصائب میں وہ خدا پر بھروسہ کرے۔

مخاطبین کا ردعمل ایک فطری چیز ہے اور داعی کو بہرحال اس سے سابقہ پیش آتا ہے۔ مگر اس کا اثر اسی دائرہ تک محدود رہتا ہے جتنا خدا کے قانون آزمائش کا تقاضا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ مخالفین اس حد تک قابو یافتہ ہو جائیں کہ وہ دعوتی مہم کو روک دیں یا اس کو تکمیل تک پہنچنے نہ دیں۔ ایک سچی دعوت کا اپنے دعوتی نشانہ تک پہنچنا ایک خدائی منصوبہ ہوتا ہے اس لئے وہ لازماً پورا ہو کر رہتا ہے۔ اس کے بعد مدعو گروہ کا ماننا اس کی اپنی ذمہ داری ہے جو اسی کے بقدر نتیجہ خیز ہوتی ہے جتنا مدعو خود چاہتا ہو۔

کہہ دو، اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں جب تک تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور اس کو جو تمھارے اوپر اترا ہے تمھارے رب کی طرف سے۔ اور جو کچھ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ یقیناً ان میں سے اکثر کے سرکشی اور انکار کو بڑھائے گا۔ پس تم انکار کرنے والوں کے اوپر افسوس نہ کرو۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی اور نصرانی، جو شخص بھی ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۶۹-۶۸

یہود کا یہ حال تھا کہ ان کے افراد عملاً خدا کے دین پر قائم نہ تھے۔ انھوں نے اپنے نفس کو اور اپنی زندگی کے معاملات کو خدا کے تابع نہیں کیا تھا۔ البتہ خوش گمانیوں کے تحت انھوں نے یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ خدا کے یہاں ان کی نجات یقینی ہے۔ وہ اپنی قومی فضیلت کے افسانوں اور اپنے بزرگوں کے تقدس کی داستانوں میں جی رہے تھے۔ مگر اللہ کے یہاں اس قسم کی خوش خیالیوں کی کوئی قیمت نہیں۔ اللہ کے یہاں جو کچھ قیمت ہے وہ صرف اس بات کی ہے کہ آدمی اللہ کے احکام کا پابند بنے اور اپنی حقیقی زندگی کو خدا کے دین پر قائم کرے۔

جو لوگ جھوٹی آرزوؤں میں جی رہے ہوں ان کے سامنے جب یہ دعوت آتی ہے کہ اللہ کے یہاں عمل کی قیمت ہے نہ کہ آرزوؤں اور تمناؤں کی تو ایسی دعوت کے خلاف وہ شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسی دعوت میں ان کو اپنی خوش خیالیوں کا محل گرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ صورت حال ان کے لئے آزمائش بن جاتی ہے۔ وہ ایسی دعوت کے سخت مخالف ہو جاتے ہیں۔ نمائشی خدا پرستی کے اندر چھپی ہوئی ان کی خود پرستی بے پردہ ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ جس دعوت سے ان کو ربانی غذا لینا چاہئے تھا اس سے وہ صرف انکار اور سرکشی کی غذا لینے لگتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں جو پیغمبر آئے ان کے ماننے والوں کی نسلیں دھیرے دھیرے مستقل قوم کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اب پیغمبروں کے نمونہ پر عمل تو باقی نہیں رہتا۔ البتہ اپنی عظمت و فضیلت کے قصیدے قصے کہانیوں کی صورت میں خوب پھیل جاتے ہیں۔ ہر گروہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہم سب سے افضل ہیں۔ ہماری نجات یقینی ہے۔ اللہ کے یہاں ہمارا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ مگر اس قسم کے گروہی مذاہب کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ اللہ کے یہاں ہر شخص کا مقدمہ انفرادی حیثیت میں پیش ہوگا اور اس کے مستقبل کی بابت جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ تمام تر اس کے اپنے عمل کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ کسی اور بنیاد پر۔

خدا کی کتاب کو قائم کرنا نام ہے ــــــ اللہ پر یقین کرنے کا، آخرت کی پکڑ کے اندیشہ کو اپنے اوپر طاری کرنے کا اور انسانوں کے درمیان صالح کردار کے ساتھ زندگی گزارنے کا۔ یہی اصل دین ہے اور ہر فرد کو یہی اپنی زندگی میں اختیار کرنا ہے۔ آسمانی کتاب کی حامل قوم کی قیمت دنیا میں اسی وقت ہے جب کہ اس کے افراد اس دینِ خداوندی پر قائم ہوں۔ اس سے ہٹنے کے بعد وہ خدا کی نظر میں بالکل بے قیمت ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ کھلے ہوئے کافروں اور مشرکوں سے بھی زیادہ بے قیمت۔

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس ایسی بات لے کر آیا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا تو بعضوں کو انھوں نے جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کر دیا۔ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی۔ پس وہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے ان پر توجہ کی۔ پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بن گئے۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ۷۰ — ۷۱

یہود سے اللہ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ ایمان و اطاعت کا عہد لیا تھا۔ وہ کچھ دن اس پر قائم رہے۔ اس کے بعد ان میں بگاڑ شروع ہو گیا۔ اب اللہ نے ان کے درمیان اپنے مصلحین اٹھائے جو ان کو اپنے عہد کی یاد دہانی کریں۔ مگر یہود کی بے راہی اور سرکشی بڑھتی ہی چلی گئی۔ انھوں نے خود نصیحت کرنے والوں کی زبان بند کرنے کی کوشش کی۔ حتی کہ کتنے لوگوں کو قتل کر دیا۔ جب ان کی سرکشی حد کو پہنچ گئی تو اللہ نے بابل و نینوی (عراق) کے بادشاہ بخت نصر کو ان کے اوپر مسلط کر دیا جس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر حملہ کر کے یہود کے مقدس شہر کو ڈھا دیا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے اپنے ملک لے گیا تاکہ ان سے بیگار لے۔ اس واقعہ کے بعد یہود کے دل نرم ہوئے۔ انھوں نے اللہ سے معافی مانگی۔ اب اللہ نے سائرس (شاہ ایران) کے ذریعہ ان کی مدد کی۔ سائرس نے ۵۳۹ ق م میں کلدانیوں کے اوپر حملہ کیا اور ان کو شکست دے کر ان کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے یہود کو جلاوطنی سے نجات دلا کر ان کو ان کے وطن جانے اور وہاں دوبارہ بسنے کی اجازت دے دی۔

اب یہود کو نئی زندگی ملی اور ان کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد وہ دوبارہ غفلت اور سرکشی میں مبتلا ہوئے۔ اب پھر نبیوں اور مصلحین کے ذریعہ اللہ نے ان کو متنبہ کیا۔ مگر وہ ہوش میں نہ آئے، یہاں تک کہ انھوں نے حضرت یحیٰی کو قتل کر دیا اور (اپنی حد تک) حضرت مسیح کو بھی۔ اب اللہ کا غضب ان پر بھڑکا اور ۷۰ء میں رومی شہنشاہ ٹائیٹس کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ جس نے ان کے ملک پر حملہ کر کے ان کو ویران کر دیا۔ اس کے بعد یہود کبھی اپنی ذاتی بنیادوں پر کھڑے نہ ہو سکے۔

آسمانی کتاب کی حامل قوموں کی نفسیات بعد کے زمانہ میں یہ بن جاتی ہیں کہ وہ خدا کے خاص لوگ ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کریں اس پر ان کی پکڑ نہیں ہوگی۔ خدا کی تعلیمات میں اس عقیدہ کے خلاف کھلے کھلے بیانات ہوتے ہیں۔ مگر وہ ان کے بارے میں اندھے اور بہرے بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے گرد خود ساختہ عقیدوں اور فرضی قصے کہانیوں کا ایسا ہالہ بنا لیتے ہیں کہ خدا کی تنبیہات ان کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتیں۔ یہود کی یہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی ایک حامل کتاب قوم کو اس کے "دشمنوں کے قبضہ" میں دے دیا جائے تو یہ اس کے لئے خدا کی طرف سے آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہلکی سزا دے کر قوم کو جگایا جائے۔ اگر اس کے نتیجہ میں قوم کے افراد میں خدا پرستانہ جذبات جاگ اٹھیں تو اس کے اوپر سے سزا اٹھالی جاتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو خدا اس کو رد کر کے پھینک دیتا ہے اور پھر کبھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم ہے۔ حالاں کہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمھارا رب بھی۔ جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے حرام کی اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالاں کہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے۔ اور اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔ یہ لوگ اللہ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے معافی کیوں نہیں چاہتے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔ اور ان کی ماں ایک راستباز خاتون تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے دلیلیں بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھو وہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔ کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھارے نقصان کا اختیار رکھتی ہے اور نہ نفع کا۔ اور سننے والا اور جاننے والا صرف اللہ ہی ہے ۷۲ — ۷۶

حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی معجزے دیے۔ یہ معجزے اس لیے تھے کہ لوگ آپ کے پیغمبر ہونے کو پہچانیں اور آپ پر ایمان لائیں۔ مگر معاملہ برعکس ہوا۔ عیسائیوں نے آپ کے معجزات کو دیکھ کر یہ عقیدہ قائم کیا کہ آپ خدا ہیں۔ آپ کے اندر خدا حلول کیے ہوئے ہے۔ یہود نے یہ کہہ کر آپ کو نظرانداز کر دیا کہ یہ ایک شعبدہ باز اور جادوگر ہیں۔ حضرت مسیح اللہ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لیے آئے تھے۔ مگر ایک گروہ نے آپ سے شرک کی غذا لی اور دوسرے گروہ نے انکار کی۔

معبود وہی ہو سکتا ہے جو خود بے احتیاج ہو اور دوسرے کو نفع نقصان پہنچانے کی قدرت رکھے۔ کھانا آدمی کے محتاج ہونے کی آخری علامت ہے۔ جو کھانے کا محتاج ہے وہ ہر چیز کا محتاج ہے۔ جو شخص کھانا کھاتا ہو وہ مکمل طور پر ایک محتاج ہستی ہے۔ ایسی ہستی خدا کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہی معاملہ نفع نقصان کا ہے۔ کسی کو نفع ملنا یا کسی کو نقصان پہنچنا ایسے واقعات ہیں جن کے ظہور میں آنے کے لیے پوری کائنات کی ساعدت درکار ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص اس قسم کے کائناتی اسباب فراہم کرنے پر قادر نہیں۔ اس لیے انسانوں میں سے کسی انسان کا یہ درجہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کو معبود فرض کر لیا جائے۔

جب بھی آدمی خدا کے سوا کسی اور کو اپنی عقیدت و محبت کا مرکز بناتا ہے تو اس کے پیچھے یہ چھپا ہوا جذبہ ہوتا ہے کہ اس کو خدا کی دنیا میں کوئی بڑا درجہ حاصل ہے۔ وہ خدا کے یہاں اس کا مددگار بن سکتا ہے۔ مگر اس قسم کی تمام امیدیں محض جھوٹی امیدیں ہیں۔ موجودہ امتحان کی دنیا میں خدا کے سوا دوسری چیزوں کا بے بس ہونا کھلا ہوا نہیں ہے۔ اس لیے یہاں آدمی غلط فہمی میں پڑا ہوا ہے۔ مگر آخرت میں جب تمام حقائق کھول دیے جائیں گے تو آدمی دیکھے گا کہ خدا کے سوا جن سہاروں پر وہ بھروسہ کیے ہوئے تھا وہ کس قدر بے قیمت تھے۔

کہو، اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گم راہ ہوئے اور جنھوں نے بہت سے لوگوں کو گم راہ کیا۔ اور وہ سیدھی راہ (سواء السبیل) سے بھٹک گئے ۷۷

حضرت مسیح کے ابتدائی شاگردوں کے نزدیک مسیحؑ ایک انسان تھا جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ وہ آپ کو انسان اور اللہ کا رسول سمجھتے تھے۔ مگر آپ کا دین جب شام کے علاقہ سے باہر نکلا تو اس کو مصر و یونان کے فلسفہ سے سابقہ پیش آیا۔ مسیحیت قبول کرکے ایسے لوگ مسیحیت میں داخل ہوئے جو وقت کے فلسفیانہ افکار سے متاثر تھے۔ اس طرح اندرونی اسباب اور بیرونی محرکات کے تحت مسیحیت میں ایک نیا دور شروع ہوا جب کہ مسیحیت کو وقت کے غالب فلسفیانہ اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔

اس زمانہ کی مہذب دنیا میں مصر و یونان کے فلسفیوں کا زور تھا۔ وقت کے ذہین لوگ عام طور پر انھیں کے افکار کی روشنی میں سوچتے تھے۔ یونانی فلاسفہ نے اپنے قیاسات کے ذریعہ عالم کی ایک خیالی تصویر بنا رکھی تھی۔ وہ حقیقت کی تعبیر تین اقنوموں (Hypostases) کی صورت میں کرتے تھے ——— وجود، حیات اور علم۔ مسیحی علماء جو خود بھی ان افکار سے مرعوب تھے، نیز وقت کے ذہین طبقہ کو مسیحیت کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے مذہب کو وقت کے غالب فکر پر ڈھالنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مسیحیت کی ایسی تعبیر کی جس میں خدا کا دین بھی اسی "تین" کے جامہ میں ڈھل جائے اور لوگ اس کو اپنے ذہن کے مطابق پا کر اس کو قبول کرلیں۔ انھوں نے کہا کہ مذہبی حقیقت بھی ایک تثلیث کی صورت گری ہے۔ اقنوم وجود باپ ہے۔ اقنوم حیات بیٹا ہے اور اقنوم علم روح القدس ہے۔ اس کلامی مذہب کو مکمل کرنے کے لئے اور بہت سے خیالات اس میں داخل کئے گئے۔ مثلاً یہ کہ حضرت مسیح "کلام" کا جسدی ظہور ہیں۔ ہبوط آدم کے بعد ہر انسان گنہ گار ہو چکا ہے اور انسان کی نجات کے لئے خدا کے بیٹے کو مصلوب ہو کر اس کا کفارہ دینا پڑا، وغیرہ۔ اس طرح چوتھی صدی ہجری میں مصری، یونانی اور رومی تخیلات میں ڈھل کر وہ چیز تیار ہوئی جس کو موجودہ مسیحیت کہا جاتا ہے۔

خدا کی سواء السبیل سے بھٹکنے کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ لوگ گم راہ قوموں کے خیالات سے مرعوب ہو کر دین کو ان کے خیالات کے سانچہ میں ڈھالنے لگتے ہیں۔ خدا کے دین کو مانتے ہوئے اس کی تعبیر اس ڈھنگ سے کرتے ہیں کہ وہ غالب افکار کے مطابق نظر آنے لگے۔ وہ خدا کے دین کے نام پر غیر خدا کے دین کو اپنا لیتے ہیں۔ نصاریٰ نے اپنے دین کو اپنے زمانہ کی مشرک قوموں کے افکار میں ڈھال لیا اور اسی کو خدا کا مقبول دین کہنے لگے۔ یہی چیز کبھی اس طرح پیش آتی ہے کہ دین کو خود اپنے قومی عزائم کے سانچہ میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ اس دوسری تحریف کی مثال یہود ہیں۔ انھوں نے خدا کے دین کی ایسی تعبیر کی کہ وہ ان کی دنیوی زندگی کی تصدیق کرنے والا بن جائے۔ مسلمانوں کے لئے کتاب الٰہی کے متن میں اس قسم کی تعبیرات داخل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ تاہم متن کے باہر انھیں وہ سب کچھ کرنے کی آزادی ہے جو پچھلی قوموں نے کیا۔

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے۔ اس لئے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے برائی سے جو وہ کرتے تھے۔ نہایت برا کام تھا جو وہ کر رہے تھے۔ تم ان میں بہت آدمی دیکھو گے کہ کفر کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ کیسی بری چیز ہے جو انھوں نے اپنے لئے آگے بھیجی ہے کہ خدا کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں پڑے رہیں گے۔ اگر وہ ایمان رکھنے والے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس پر جو اس کی طرف اترا تو وہ کافروں کو دوست نہ بناتے۔ مگر ان میں اکثر نافرمان ہیں　۷۸ – ۸۱

ایمان آدمی کو ظلم اور برائی کے بارے میں حساس بنا دیتا ہے۔ وہ کسی کو ظلم اور برائی کرتے دیکھتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ فوراً اسے روک دے۔ برے لوگوں سے اس کا تعلق جدائی کا ہوتا ہے نہ کہ دوستی کا۔ مگر جب ایمانی جذبہ کمزور پڑ جائے تو آدمی صرف اپنی ذات کے بارے میں حساس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اس کو صرف وہ برائی برائی معلوم ہوتی ہے جس کی زد اس کے اپنے اوپر پڑے۔ جس برائی کا رخ دوسروں کی طرف ہو اس کے بارے میں وہ غیر جانب دار ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل جو اس زوال کا شکار ہوئے اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ انھوں نے اپنی زبان سے اچھی بات بولنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے خواص اب بھی خوبصورت تقریریں کرتے تھے مگر اس معاملہ میں وہ اتنے سنجیدہ نہ تھے کہ جب کسی کو ظلم اور برائی کرتے دیکھیں تو وہاں کود پڑیں اور اس کو روکنے کی کوشش کریں۔ حضرت داؤد اپنے زمانہ کے یہود کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی نیکو کار نہیں، ایک بھی نہیں (۱۴) مگر اسی کے ساتھ آپ کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہود اپنے ہمسایوں سے صلح کی باتیں کرتے تھے جب کہ ان کے دلوں میں بدی ہوتی تھی (۲۸) وہ خدا کے آئین کو بیان کرتے اور خدا کے عہد کو زبان پر لاتے (۵۰) حضرت مسیح اپنے زمانہ کے یہودیوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

اے ریاکار فقیہو تم پر افسوس، تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو۔ تم پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ اے اندھے راہ بتانے والو مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو تم ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو (متی ۲۳)

یہود خدا کا آئین بیان کرتے تھے۔ وہ لمبی نمازیں پڑھتے اور فصلوں میں دسواں حصہ نکالتے۔ مگر ان کی باتیں صرف کہنے کے لئے ہوتی تھیں۔ وہ بے ضرر احکام پر نمائشی اہتمام کے ساتھ عمل کرتے مگر جب صاحب معاملہ سے انصاف کرنے کا سوال ہوتا، جب ایک کمزور پر رحم کا تقاضا ہوتا، جب اپنے نفس کو کچل کر اللہ کے حکم کو ماننے کی ضرورت ہوتی تو وہ پھسل جاتے۔ حتی کہ اگر کوئی خدا کا بندہ ان کی غلطیوں کو بتاتا تو وہ اس کے دشمن ہو جاتے۔ یہی چیز تھی جس نے ان کو لعنت اور غضب کا مستحق بنا دیا۔

ایمان والوں کے ساتھ دشمنی میں تم سب سے بڑھ کر یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔ اور ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں تم سب سے زیادہ ان لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں۔ اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے۔ پس تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ اور ہم کیوں نہ ایمان لائیں اللہ پر اور اس حق پر جو ہمیں پہنچا ہے جب کہ ہم یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو صالح لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ پس اللہ ان کو اس قول کے بدلہ میں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔ اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں ۸۲—۸۶

اس آیت میں جنت کو "قول" کا بدلہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر وہ قول کیا تھا جس نے اس کے قائلین کو ابدی جنت کا مستحق بنایا۔ وہ قول ان کی پوری ہستی کا نمائندہ تھا۔ وہ ان کی شخصیت کی پھٹن کی آواز تھا۔ انھوں نے اللہ کے کلام کو اس طرح سنا کہ اس کے اندر جو حق تھا اس کو وہ پوری طرح پا گئے۔ وہ ان کے دل و دماغ میں اتر گیا۔ اس نے ان کے اندر ایسا انقلاب برپا کیا کہ ان کے حوصلوں اور تمناؤں کا مرکز بدل گیا۔ تعصب اور مصلحت کی تمام دیواریں ڈھ پڑیں۔ انھوں نے حق کے ساتھ اپنے آپ کو اس طرح شامل کیا کہ اس سے الگ ان کی کوئی ہستی باقی نہ رہی۔ وہ اس کے گواہ بن گئے، اور گواہ بننا ایک حقیقت کا انسان کی صورت میں مجسم ہونا ہے۔ قرآن اب ان کے لئے محض ایک کتاب نہ رہا بلکہ مالک کائنات کی زندہ نشانی بن گیا۔ یہ ربانی تجربہ جو ان پر گزرا بظاہر اس کا اظہار اگرچہ لفظوں کی صورت میں ہوا تھا مگر ان کے یہ الفاظ الفاظ نہ تھے بلکہ وہ ایک زلزلہ تھا جس نے ان کے پورے وجود کو ہلا دیا۔ حتیٰ کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ پڑیں۔

قول اپنی حقیقت کے اعتبار سے کسی قسم کے لسانی تلفظ کا نام نہیں۔ وہ آدمی کے عمل کو معنویت کا روپ دینے کی اعلیٰ ترین صورت ہے جس کا اختیار معلوم کائنات میں صرف انسان کو حاصل ہے۔ ایک حقیقی قول سب سے زیادہ لطیف اور سب سے زیادہ بامعنی واقعہ ہے۔ قول آدمی کی ہستی کا سب سے بڑا اظہار ہے۔ قول ناطق عمل ہے۔ اس لئے جب کوئی شخص قول کی سطح پر اپنی عبدیت کا ثبوت دیدے تو وہ جنت کا یقینی استحقاق حاصل کر لیتا ہے۔

حق کو نہ ماننے کی سب سے بڑی وجہ ہمیشہ کبر ہوتا ہے۔ جن کے دلوں میں کبر چھپا ہوا ہو وہ حق کی دعوت کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر کبر نہ ہو، خواہ وہ دوسری کسی گمراہی میں مبتلا ہوں، وہ حق کی مخالفت میں کبھی اتنا آگے نہیں جا سکتے کہ اس کے جانی دشمن بن جائیں۔ اور کسی حال میں اس کو قبول نہ کریں۔

اے ایمان والو، ان ستھری چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ نے تم کو جو حلال چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر گرفت نہیں کرتا۔ مگر جن قسموں کو تم نے مضبوط باندھا ان پر وہ ضرور تمہاری گرفت کرے گا۔ ایسی قسم کا کفارہ ہے دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا کپڑا پہنا دینا یا ایک گردن آزاد کرنا۔ اور جس کو میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھا بیٹھو۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو ۸۹ ـ ۸۷

بندہ اور خدا کا تعلق ایک زندہ تعلق ہے جو نفسیات کی سطح پر قائم ہوتا ہے۔ یہ تمام تر ایک اندرونی واقعہ ہے۔ مگر مذہب کے زوال کے زمانہ میں جب یہ اندرونی تعلق کمزور پڑتا ہے تو لوگوں میں یہ ذہن ابھرتا ہے کہ اس کو خارجی ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ انھیں میں سے دنیوی لذتوں کو چھوڑنا بھی ہے جس کو رہبانیت کہا جاتا ہے۔ یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ مادی چیزوں سے دوری آدمی کو خدا سے قریب کرنے کا باعث بنے گی۔ صحابہ میں سے بعض افراد اس قسم کے رہبانی خیالات سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ وہ گوشت نہ کھائیں۔ راتوں کو نہ سوئیں۔ اپنے آپ کو خصی کرا لیں اور گھروں کو چھوڑ کر درویشی کی زندگی اختیار کر لیں۔ حتیٰ کہ بعض نے اس کی قسمیں بھی کھا لیں۔ اس پر انھیں منع کیا گیا اور کہا گیا کہ حلال کو حرام کرنے سے کوئی شخص خدا کی قربت حاصل نہیں کر سکتا۔ آدمی جو کچھ حاصل کرتا ہے فطرت کے حدود میں رہ کر حاصل کرتا ہے نہ کہ اس سے آزاد ہو کر۔

اسلام کے مطابق اصل رہبانیت " تقویٰ اور شکر ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے۔ اس کے اندر یہ خواہش ابھرتی ہے کہ ایک حرام چیز سے لذت حاصل کرے مگر وہ خدا کے ڈر سے رک جاتا ہے۔ کسی کے اوپر غصہ آجاتا ہے اور وہ چاہنے لگتا ہے کہ اس کو تہس نہس کر دے مگر خدا کا ڈر اسے اپنے بھائی کے خلاف تخریبی کارروائی سے روک دیتا ہے۔ اس کا دل کہتا ہے کہ بے قید زندگی گزارے مگر خدا کی پکڑ کا اندیشہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے کو خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کا پابند بنائے۔ یہی معاملہ شکر کا ہے۔ آدمی کو کوئی دنیوی چیز حاصل ہوتی ہے۔ صحت، دولت، عہدہ، ساز و سامان، مقبولیت کا کوئی حصہ اس کو ملتا ہے۔ مگر وہ خود پسندی اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز کو خدا کا عطیہ سمجھ کر اس کے احسان کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ تواضع اور ممنونیت کے جذبات میں ڈھل جاتا ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو آدمی کو خدا سے جوڑتی ہیں۔ خدا سے ڈرنے اور اس کا شکر ادا کرنے سے آدمی اس کی قربت حاصل کرتا ہے۔ مادی چیزوں سے دوری یقیناً مطلوب ہے۔ مگر وہ ذہنی دوری ہے نہ کہ جسمانی دوری۔

اے ایمان والو، شراب اور جوا اور تھان اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے۔ پس تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم ان سے باز آؤ گے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور بچو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔ جب کہ وہ ڈرے اور ایمان لائے اور نیک کام کیا۔ پھر ڈرے اور ایمان لائے پھر ڈرے اور نیک کام کیا۔ اور اللہ نیک کام کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے ۹۳ - ۹۰

شراب اور جوا اور وہ آستانے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کو پوجنے یا کسی اور کے نام پر نذر اور قربانی چڑھانے کے لئے ہوں اور پانسہ یعنی فال گیری اور قرعہ اندازی کے وہ طریقے جن میں غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ شامل ہو، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں انسان کو ذہنی و عملی پستی کی طرف لے جاتی ہیں۔ شراب آدمی کے اندر لطیف انسانی احساسات کو ختم کر دیتی ہے اور جوا بے غرضی کی نفسیات کے لئے قاتل ہے۔ اسی طرح تھان اور پانسے وہ چیزیں ہیں جن کی بنیاد یا تو سطحی جذبات پر قائم ہوتی ہے یا توہماتی خیالات پر۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اللہ کی یاد کرنے والا اور اس کی عبادت کرنے والا بن جائے۔ وہ خدا کی اور اس کے پیغمبر کی اطاعت میں اپنے کو ڈال دے۔ ان افعال کے لئے آدمی کا سنجیدہ ہونا ضروری ہے۔ مگر مذکورہ چیزیں آدمی کے اندر سے سب سے زیادہ جو چیز ختم کرتی ہیں وہ سنجیدگی ہی ہے۔ اسلام وہ انسان بنانا چاہتا ہے جو حقیقتوں کا ادراک کرے، جب کہ شراب آدمی کو حقیقتوں سے غافل کر دینے والی چیز ہے۔ اسلام کا مطلوب انسان وہ ہے جو مادیت سے بلند ہو کر جیئے، جب کہ جوا آدمی کو مجرمانہ حد تک مادیت کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اسلام وہ انسان بنانا چاہتا ہے جو واقعات کی بنیاد پر اپنے کو کھڑا کرے، جب کہ آستانے اور پانسے انسان کو توہمات کی وادیوں میں گم کر دیتے ہیں۔

شراب بڑھی ہوئی بے حسی پیدا کرتا ہے اور جوا بڑھی ہوئی خود غرضی۔ اور یہ دونوں چیزیں باہمی فساد کی جڑ ہیں۔ جو لوگ بے حس ہو جائیں وہ دوسرے کی عزت کو عزت اور دوسرے کی چیز کو چیز نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ ظلم، بے انصافی، دوسرے کو ناحق ستانے میں آخری حد تک جری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جوا استحصال اور خود غرضی کی بدترین صورت ہے جب کہ ایک آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کو لوٹ کر اپنے لئے ایک بڑی کامیابی حاصل کرے۔ شرابی آدمی دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کرنے سے عاری ہوتا ہے اور جوئے باز کے لئے دوسرا آدمی صرف استحصال کا موضوع ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کے لوگ جس معاشرہ میں جمع ہو جائیں وہاں آپس کی بے اعتمادی، ایک دوسرے سے شکایات، باہمی ٹکراؤ اور دشمنی کے سوا اور کیا چیز پرورش پائے گی۔

اے ایمان والو، اللہ تمھیں اس شکار کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈالے گا جو بالکل تمھارے ہاتھوں اور تمھارے نیزوں کی زد میں ہوگا تاکہ اللہ جانے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو، شکار کو نہ مارو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو۔ اور تم میں سے جو شخص اس کو جان بوجھ کر مارے تو اس کا بدلہ اسی طرح کا جانور ہے جیسا کہ اس نے مارا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے۔ یا اس کے کفارہ میں چند محتاجوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ یا اس کے برابر روزے رکھنے ہوں گے، تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا چکھے۔ اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا، اور جو شخص پھر کرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا۔ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ہے ۹۴-۹۵

حج یا عمرہ کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ کعبہ پہنچنے سے پہلے مقررہ مقامات سے احرام باندھ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کعبہ تک کے سفر میں جانور یا چڑیاں سامنے آتی ہیں جن کو باسانی شکار کیا جا سکتا ہو۔ مگر ایسے شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ آدمی خواہ خود شکار کرے یا کسی دوسرے کو شکار کرنے میں مدد دے، دونوں چیزیں احرام کی حالت میں ناجائز ہیں۔ روایات کے مطابق یہ آیت حدیبیہ کے سفر میں اتری جب کہ مسلمانوں نے عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھ رکھا تھا۔ اس وقت چڑیاں اور جانور کثیر تعداد میں اتنے قریب پھر رہے تھے کہ باسانی انھیں تیر یا نیزے سے مارا جا سکتا تھا۔ مسلمان اس وقت اپنی عادت اور ضرورت کے تحت چاہتے بھی تھے کہ ان کا شکار کریں۔ مگر حکم اترتے ہی ہر ایک نے اپنا ہاتھ روک لیا ——— یہ حکم جو احرام کی حالت میں جانوروں کے بارے میں دیا گیا ہے وہی روزمرہ کی زندگی میں عام انسانوں کے ساتھ مطلوب ہے۔

اس حکم کا اصل مقصد یہ ہے کہ "اللہ جان لے کہ کون ہے جو اللہ کو دیکھے بغیر اللہ سے ڈرتا ہے" دنیا میں انسان کو رکھ کر خدا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ اب وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ لوگوں میں کون اتنا حقیقت شناس ہے کہ بظاہر خدا کو نہ دیکھتے ہوئے بھی اس طرح رہتا ہے جیسے کہ وہ اس کو اس کی تمام طاقتوں کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور کون اتنا غافل ہے کہ خدا کو اپنے سامنے نہ پا کر بے خوف ہو جاتا ہے اور من مانی کارروائیاں کرنے لگتا ہے۔ اس کا تجربہ حج کے سفر میں چند دن اور انسانی تعلقات میں روزانہ ہوتا ہے۔ ایک آدمی کسی کی زد میں اس طرح آتا ہے کہ اس کے لئے بالکل ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی جان پر حملہ کرے۔ وہ اس کو مالی نقصان پہنچائے۔ وہ اس کے بارے میں ایسی بات کہے جس سے اس کی رسوائی ہوتی ہو۔ اب ایک شخص وہ ہے جو اس طرح قابو پانے کے باوجود خدا کے ڈر سے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ کو اس کے معاملہ میں روک لیتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو کسی پر قابو پاتے ہی اس کو ذلیل کرتا ہے اور اس کو اپنی طاقت کا نشانہ بناتا ہے۔ ان میں سے پہلے شخص نے یہ ثابت کیا کہ وہ دیکھے بغیر اللہ سے ڈرتا ہے اور دوسرے نے اپنے بارے میں اس کے برعکس حالت کا ثبوت دیا۔ پہلے کے لئے خدا کے یہاں بے حساب انعامات ہیں اور دوسرے کے لئے دردناک عذاب۔

تمھارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا، تمھارے فائدہ کے لئے اور قافلوں کے لئے۔ اور جب تک تم احرام میں ہو خشکی کا شکار تمھارے اوپر حرام کیا گیا۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم حاضر کئے جاؤگے۔ اللہ نے کعبہ، حرمت والے گھر کو لوگوں کے لئے قیام کا باعث بنایا۔ اور حرمت والے مہینوں کو اور قربانی کے جانوروں کو اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے جانوروں کو بھی۔ یہ اس لئے کہ تم جانو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ رسول پر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ کہو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے، اگرچہ ناپاک کی کثرت تم کو بھلی لگے۔ پس اللہ سے ڈرو اے عقل والو، تاکہ تم فلاح پاؤ ۹۶-۱۰۰

حالتِ احرام میں شکار حرام ہے۔ مگر جو لوگ دریا یا سمندر سے بیت اللہ کا سفر کر رہے ہوں ان کے لئے جائز ہے کہ وہ پانی میں شکار کریں اور اس کو کھائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شکار کی یہ ممانعت اس کے اندر کسی ذاتی حرمت کی بنا پر نہ تھی بلکہ محض "آزمائش" کے لئے تھی۔ انسان کو آزمانے کے لئے اللہ نے علامتی طور پر کچھ چیزیں مقرر کر دیں۔ اس لئے جہاں شارع نے محسوس کیا کہ جو چیز آزمائش کے لئے تھی وہ بندوں کے لئے غیر ضروری مشقت کا سبب بن جائے گی وہاں قانون میں نرمی کر دی گئی۔ کیوں کہ سمندر کے سفر میں اگر زادِ راہ ختم ہو جائے تو آدمی کے لئے اپنی زندگی کو باقی رکھنے کی اس کے سوا اور صورت نہیں رہتی کہ وہ آبی جانوروں کو اپنی خوراک بنائے۔

کعبہ اسلام اور ملتِ اسلام کا دائمی مرکز ہے۔ کعبہ کی طرف رخ کرنے کو نماز کی شرط ٹھہرا کر اللہ نے دنیا کے ایک ایک مسلمان کو کعبہ کی مرکزیت کے ساتھ جوڑ دیا۔ پھر حج کی صورت میں اس کو اسلام کا بین اقوامی اجتماع گاہ بنا دیا۔ زیارتِ کعبہ کے ذیل میں جو شعائر مقرر کئے گئے ہیں ان کے احترام کی وجہ ان کا کوئی ذاتی تقدس نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آدمی کے امتحان کی علامت ہیں۔ بندہ جب ان شعائر کے بارے میں اللہ کے حکم کو پورا کرتا ہے تو وہ اپنے ذہن میں اس حقیقت کو تازہ کرتا ہے کہ اللہ اگرچہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا مگر وہ زندہ موجود ہے۔ وہ حکم دیتا ہے وہ بندوں کی نگرانی کرتا ہے۔ وہ ہماری تمام حرکتوں سے باخبر ہے۔ یہ احساسات آدمی کے اندر اللہ کا ڈر پیدا کرتے ہیں اور اس کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ زندگی کے مختلف مواقع پر اللہ کا سچا بندہ بن کر رہ سکے۔

انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جس طرف بھیڑ ہو، جدھر ظاہری ساز و سامان کی کثرت ہو اسی کو اہم سمجھ لیتا ہے۔ مگر خدا کے نزدیک ساری اہمیت صرف کیفیت کی ہے، مقدار کی اس کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ جو لوگ "کثرت" کی طرف دوڑیں اور "قلت" کو نظر انداز کر دیں وہ اپنے خیال سے بڑی ہوشیاری کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ انتہائی نادان ہیں۔ کامیاب وہ ہے جو خدا کے ڈر کے تحت اپنا رویہ متعین کرے نہ کہ مادی مصالح یا دنیوی اندیشوں کے تحت۔

آزمائش کا قانون

کوئی آدمی حقیقی معنوں میں مومن اور مسلم ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ فتنہ (آزمائش) کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اللہ کو اگرچہ ہر ایک کے دل کا حال معلوم ہے مگر اللہ کی سنت یہ ہے کہ آزمائش کے حالات پیدا کرکے ہر آدمی کے اندر کو باہر لایا جائے تاکہ اللہ آخرت میں اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے اس سے انکار کی مجال کسی کو نہ ہو۔

آزمائش کا مطلب ایسی صورت حال آدمی کے سامنے لانا ہے جہاں حسن عمل کے تمام اضافی اسباب حذف ہو گئے ہوں، صرف ایک ہی سبب (اللہ کا ڈر) باقی رہ گیا ہو۔ اسی لئے معمول کے حالات یا روزمرہ کے عمل میں آدمی کی آزمائش نہیں ہو سکتی۔ آزمائش کے لئے ضروری ہے کہ غیر معمولی حالات سامنے لائے جائیں۔

اگر یہ دیکھنا ہو کہ آپ خوش اخلاق ہیں یا نہیں، تو اس کا تجربہ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا جو آپ سے نیازمندی کی باتیں کرتا ہو۔ کیوں کہ نیازمندی دکھانے والے کے ساتھ تو ہر آدمی خوش اخلاقی ہی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اسی طرح اس کا تجربہ ایک طاقت ور آدمی کے ذریعہ بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ طاقتور شخصیت کے سامنے ہر آدمی خوش اخلاق بن جاتا ہے۔ کسی کی خوش اخلاقی کو جانچنے کا ذریعہ ایک ایسا شخص ہی بن سکتا ہے جو کمزور اور معمولی آدمی ہو اور اسی کے ساتھ وہ ایسے انداز میں کلام کرے جو ناگواری پیدا کرنے والا ہو۔

اسی طرح کسی کی انسانیت دوستی کی جانچ اس طرح نہیں ہو سکتی کہ ایک شاندار اجلاس کیا جائے اور اس کے بعد اس آدمی سے کہا جائے کہ سجے ہوئے اسٹیج پر کھڑے ہو کر تم انسانیت کے موضوع پر ایک تقریر کرو۔ کسی کی انسانیت دوستی کی جانچ اس وقت ہوتی ہے جب ایک بے قیمت آدمی اس کے دروازے پر پہنچتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ میں فلاں مصیبت میں پھنس گیا ہوں تم انسانیت کے ناتے میری مدد کرو۔ کوئی شخص فیاض ہے یا نہیں اس کا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جب ایک شاندار قومی مد سامنے آئے اور اس میں پیسہ دے کر لوگ آناً فاناً شہرت وعزت کی منزلیں طے کر رہے ہوں۔ آدمی کی فیاضی کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب اس کو ایک ایسی خاموش مد میں پیسہ دینا ہو جس میں اخباری شہرت کا کوئی موقع نہیں۔ کسی شخص کے انصاف کا حال اس وقت معلوم نہیں ہوتا جب کہ متعلقہ فریق سے تعلقات خوش گوار ہوں بلکہ آدمی کی انصاف پسندی یا بے انصافی اس وقت کھلتی ہے جب کہ دونوں فریقوں کے درمیان تلخی پیدا ہو گئی ہو اور انصاف کرنا بظاہر اپنے حریف کو فائدہ پہنچانے کے ہم معنی بن گیا ہو۔ آدمی اللہ سے ڈرتا ہے یا نہیں اس کا حقیقی اندازہ ان اعمال میں نہیں ہوتا جو آدمی انسانوں سے دور تسبیح و نوافل کی صورت میں کرتا ہے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا سابقہ انسانوں سے پڑے اور ایک شخص کے معاملہ میں اللہ سے ڈرنا اس قیمت پر ہو کہ آدمی اپنی انا کو کچلے اور اپنی مصلحتوں کو برباد کرے —— آدمی معمول کے حالات میں خدا پرستی والے عمل کرتا ہے۔ مگر خدا جب غیر معمولی مواقع پیدا کرکے اس کی خدا پرستی کو جانچنا چاہتا ہے تو عین اس وقت وہ خدا پرستی کا ثبوت دینے میں ناکام ہو جاتا ہے۔

آخرت پسندی

مومن وہ ہے جس کی زندگی کا رُخ آخرت کی طرف ہو جائے۔ اس کی یادوں میں آخرت سمائی ہوئی ہو۔ وہ اپنی سرگرمیوں میں سب سے زیادہ آخرت کا لحاظ کرتا ہو۔ تعلقات اور معاملات میں اس کو ہمیشہ آخرت یاد رہتی ہو۔ کسی سے بگاڑ اور اختلاف ہو جائے تب بھی وہ اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو آخرت کے اعتبار سے اس کو کرنا چاہئے۔ وہ فائدوں اور مصلحتوں پر چلنے کے بجائے جنت اور جہنم کو سوچ کر اپنی راہ بناتا ہو۔ جب کوئی حق اس کے سامنے آئے تو وہ یہ خیال کرکے اس کو مان لے کہ دنیا میں اگر نہ مانا تو آخرت کے دن اس کو ماننا ہوگا اور آخرت کا ماننا صرف رسوائی کو بڑھانے والا ہوگا۔ وہ اپنی کامیابی اور ناکامی اور اپنی عزت اور ذلت کو آخرت کے اعتبار سے جانچتا ہو۔ اس کی زندگی آخرت رخی زندگی ہو نہ کہ دنیا رخی زندگی۔

تعمیر

دنیا کے معاملات میں مومن کا طریقہ تعمیری طریقہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کو خود اپنی مثبت جدوجہد کی بنیاد پر کھڑی کرتا ہے۔ وہ احتجاج اور مطالبہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی خداداد صلاحیتوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ نفرت اور غصہ کا جواب محبت اور سنجیدگی سے دیتا ہے۔ وہ اختلاف کے مواقع پر اتحاد کی راہیں تلاش کرتا ہے۔ اس کو اپنی تعمیر سے دل چسپی ہوتی ہے نہ کہ دوسروں کی تخریب سے۔ جو کچھ دوسروں کے پاس ہے وہ اس کی ہوس نہیں کرتا بلکہ جو کچھ اس کے اپنے پاس ہے اس کی بنیاد پر اپنا مستقبل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

دعوت الی اللہ

مومن کی تحریک خدا کی طرف پکارنے کی تحریک ہوتی ہے۔ خدا نے ہم کو بنایا، وہ ہم کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ وہی ہے جو ہماری ضروریات کا سامان کرتا ہے۔ اس لئے ہمارا قلبی تعلق سب سے زیادہ خدا سے ہونا چاہئے۔ درخت، پانی، چڑیاں، ہوائیں اور سورج چاند، اس دنیا کی سب چیزیں خدا کے مقررہ نقشہ پر چل رہی ہیں، ہم کو بھی یہاں اسی نقشہ کے مطابق زندگی گزارنا چاہئے۔ خدا نے اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتاب اتاری تاکہ ہم ان سے رہنمائی حاصل کریں، ہم کو چاہئے کہ ہم رسول اور رسول کی لائی ہوئی کتاب کو اپنی زندگی میں رہنما مقام عطا کریں۔ خدا اپنے منصوبہ کے مطابق ایک روز ظاہر ہوگا اور موجودہ دنیا کو توڑ کر دوسری دنیا بنائے گا جہاں اس کے نافرمان بندوں کے لئے جہنم ہوگی اور اس کے فرماں بردار بندوں کے لئے جنت۔ ہم کو چاہئے کہ ہم ایسی زندگی گزاریں کہ آنے والے دن میں ہمارا شمار اس کے فرماں برداروں میں ہو نہ کہ نافرمان بندوں میں ——— یہی زندگی کی اصل حقیقت ہے، مومن خود بھی اپنے آپ کو اس کے مطابق بناتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کے مطابق بننے کی دعوت دیتا ہے۔

جہنم کا خطرہ

خدا نے انسان کو اس کی بناوٹ کے اعتبار سے جنتی نفسیات کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کے بعد اس کو موجودہ دنیا میں ڈال دیا جہاں ایسے حالات ہیں جو آدمی کے اندر جہنمی نفسیات کو ابھارتے ہیں۔ اب جو شخص اسفل سافلین میں رہتے ہوئے اپنے کو احسن تقویم کی سطح پر رکھے، بالفاظ دیگر جہنمی نفسیات کو ابھارنے والے ماحول میں دوبارہ اپنے اندر چھپی ہوئی جنتی نفسیات کو بیدار کرے تو وہی وہ شخص ہے جو مرنے کے بعد اللہ کے پڑوس میں اور اس کی نعمتوں میں جگہ پائے گا۔ باقی لوگ دھوئیں اور آگ کی دنیا میں عذاب سہنے کے لئے چھوڑ دئے جائیں گے (التین)

موجودہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ اس لئے اس کو اسی ڈھنگ پر بنایا گیا ہے کہ یہاں بار بار آدمی کے لئے آزمائشی حالات پیدا ہوں۔ یہاں نفع اور نقصان کے معاملات ہیں جو آدمی کے اندر حرص، طمع اور خود غرضی کے احساسات ابھارتے ہیں۔ یہاں سطحی دل چسپیاں ہیں جو آدمی کو شہوت پرستی، نشہ بازی اور لذتیت کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہاں ایک آدمی اور دوسرے آدمی کا مقابلہ پیش آتا ہے جس کی وجہ سے آدمی کے اندر خود پرستی اور انانیت کا شیطان جاگتا ہے۔ یہاں مفادات کا ٹکراؤ ہے جس کی وجہ سے غصہ، نفرت اور کمینہ پن کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ یہی موجودہ دنیا کا "اسفل سافلین" ہونا ہے۔ آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے اوپر اٹھائے اور اپنے کو "احسن تقویم" کی سطح پر لے جائے جو باعتبار پیدائش اس کی حقیقی سطح ہے۔

ایک پھل اندر سے اچھا ہے یا خراب، اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کہ اسے توڑا جائے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ کوئی انسان جنتی نفسیات میں جی رہا ہے یا جہنمی نفسیات میں، اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کہ اس کی ہستی کو توڑا جائے۔ جب آدمی کے ساتھ کسی قسم کی ناموافق صورت حال پیش آتی ہے تو اس وقت اس کی ہستی ٹوٹ جاتی ہے۔ ایسے موقع پر آدمی جو ردعمل ظاہر کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتی تقویم کی سطح پر تھا یا جہنمی تقویم کی سطح پر۔ جب دو آدمیوں کے درمیان روپیہ یا جائداد کا جھگڑا کھڑا ہوتا ہے۔ جب دو صاحب معاملہ افراد کے درمیان کوئی کھٹ پٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جب دو الگ الگ خیال رکھنے والوں کے درمیان رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ جب ایک منصب کے دو دعویداروں کے درمیان ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے تو یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب کہ یہ پتہ چلتا ہے کہ آدمی حقیقت کے اعتبار سے کیا ہے۔ ایسے مواقع پر جو شخص نفرت، خود غرضی، بے انصافی اور انانیت کا مظاہرہ کرے وہ اپنے اس عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ جہنمی نفسیات میں جی رہا تھا، وہ ابلیس اور شیطان کا پڑوسی تھا۔ اس کے برعکس جس شخص کا ردعمل ان مواقع پر محبت، بے غرضی، انصاف پسندی اور تواضع کی صورت میں ظاہر ہو وہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ جنتی نفسیات میں جی رہا ہے، اس کے روز و شب خدا اور اس کے فرشتوں کے پڑوس میں گزرتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں شیطان کا پڑوسی ہے، آخرت میں بھی اس کو شیطان ہی کا پڑوس حاصل ہوگا اور جو شخص دنیا میں خدا اور فرشتوں کا پڑوسی ہے، وہ آخرت میں بھی خدا اور فرشتوں کے پڑوس میں رہے گا۔

موت کے دروازہ پر

موت کا مرحلہ سب سے زیادہ یقینی مرحلہ ہے جس سے آدمی کو لازماً گزرنا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو زندگی نہ ملے۔ مگر جس کو زندگی ملی اس کے لئے موت کا آنا لازمی ہے۔ ہر آدمی جو زندہ ہے وہ ایک روز مرے گا۔ ہر آدمی جو دیکھتا اور بولتا ہے یقیناً ایک روز اس کی آنکھ بے نور ہوگی اور اس کا بولنا بند ہو جائے گا۔ ہر آدمی پر وہ وقت آتا ہے جب کہ وہ موت کے دروازہ پر کھڑا کر دیا جائے۔ اس وقت اس کے پیچھے دنیا ہوگی اور اس کے آگے آخرت۔ وہ ایک ایسی دنیا کو چھوڑ رہا ہوگا جہاں وہ دوبارہ کبھی نہیں آئے گا اور ایک ایسی دنیا میں داخل ہو رہا ہوگا جس سے اس کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ وہ اپنے عمل کے میدان سے ہٹا کر وہاں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ اپنے عمل کا ابدی انجام بھگتتا رہے۔

زندگی ایک بے اعتبار چیز ہے، جب کہ موت بالکل یقینی ہے۔ ہم زندہ صرف اس لئے ہیں کہ ابھی ہم مرے نہیں ہیں اور موت وہ چیز ہے جس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ہم ہر لمحہ موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہم زندگی کے مقابلہ میں موت سے زیادہ قریب ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں حالاں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ مرے ہوئے ہیں۔ وہ موت جس کا وقت مقرر نہ ہو، جو ابھی اگلے لمحہ آسکتی ہو وہ گویا ہر وقت آرہی ہے اس کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ آچکی ہے، بجائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ وہ آنے والی ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو (عد نفسك من اهل القبور)

موت ہر چیز کو باطل کر دیتی ہے، وہ ہماری زندگی کا سب سے زیادہ بھیانک واقعہ ہے۔ تاہم موت اگر صرف زندگی کا خاتمہ ہوتی تو وہ زیادہ بھیانک نہیں تھی۔ موت کا مطلب اگر صرف یہ ہوتا کہ اب آئندہ کے لئے اس انسان کا وجود نہ رہے گا جو چلتا تھا اور جو دیکھتا اور سنتا تھا تو اپنی ساری ہولناکیوں کے باوجود یہ صرف ایک وقتی حادثہ تھا نہ کہ کوئی مستقل مسئلہ۔ مگر اصل مشکل یہ ہے کہ موت ہماری زندگی کا خاتمہ نہیں۔ وہ ایک نئی اور ابدی زندگی کا آغاز ہے۔ موت کا مطلب اپنے ابدی انجام کی دنیا میں داخل ہونا ہے۔

ہر آدمی زندگی سے موت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ کسی کا سفر دنیا کی خاطر ہے اور کسی کا آخرت کی خاطر۔ کوئی سامنے کی چیزوں میں جی رہا ہے کوئی چھپی ہوئی چیزوں میں۔ کوئی اپنی خواہش اور انا کی تسکین کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے اور کسی کو خدا کے خوف اور خدا کی محبت نے بے چین کر رکھا ہے۔ دونوں قسم کے لوگ شام کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی تھکان کو مٹائیں اور اگلے دن دوبارہ صبح کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی پسند کی دنیا میں دوبارہ سرگرم ہو جائیں۔ موجودہ دنیا میں دونوں بظاہر یکساں نظر آتے ہیں۔ مگر موت کے بعد آنے والی منزل کے اعتبار سے دونوں کا حال یکساں نہیں۔ جو شخص خدا اور آخرت میں جی رہا ہے وہ اپنے کو بچا رہا ہے اور جو شخص دنیا کی دلچسپیوں اور اپنے نفس کی خواہشوں میں جی رہا ہے وہ اپنے کو ہلاک کر رہا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ

ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنے کو بیچتا ہے، پھر ان میں سے کوئی اپنے کو رہا کرتا ہے اور کوئی اپنے کو ہلاک کر دیتا ہے (کل الناس یغدو فبائع نفسہ فمعتقہا او موبقہا)

آج لوگوں کے پاس الفاظ ہیں جن کو وہ بے تکان دہرا رہے ہیں۔ مگر ایک وقت آنے والا ہے جب کہ ان کے الفاظ چھن چکے ہوں گے۔ ان کو اپنا ہر بول بالکل بے قیمت نظر آئے گا۔ وہاں کوئی سننے والا نہ ہوگا جو ان کے الفاظ کو سنے۔ کوئی پریس نہ ہوگا جو ان کے الفاظ کو چھاپے۔ کوئی لاؤڈ اسپیکر نہ ہوگا جو ان کے الفاظ کو فضا میں بکھیرے۔ ان کی خوش خیالیوں کا محل گر چکا ہوگا۔ وہ حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے اپنے چاروں طرف دیکھیں گے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ اس وقت ان کو نظر آجائے گا کہ دنیا میں حق کا انکار کرنے کے لئے وہ جن الفاظ کا سہارا لئے ہوئے تھے وہ کس قدر بے قیمت تھے۔ یہ دنیا چونکہ امتحان کی دنیا ہے اس لئے یہاں الفاظ ہر معنی کو قبول کر لیتے ہیں، ایک ناحق بات کو بھی یہاں شان دار الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ مگر موت کے بعد جو دنیا آئے گی وہاں صرف سچی بات بولنا ممکن ہوگا۔ وہاں الفاظ کسی غلط بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیں گے۔

حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ موت کو بہت زیادہ یاد کرو جو لذتوں کو ڈھا دینے والی ہے (اکثروا ذکر ھادم اللذات) یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی اگر موت کو یاد کرتا رہے تو اس کے لئے دنیا کی وہ تمام چیزیں بالکل بے حقیقت ہو جائیں جن کی خاطر وہ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے اور اپنے لئے جہنم کی آگ میں جلنے کا خطرہ مول لیتا ہے۔ جس مال کو آدمی اپنا سب کچھ سمجھتا ہے اور اس کے سمیٹنے میں اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے، وہ اس کو برت نہیں پاتا کہ موت آجاتی ہے اور اس کو اس کے کمائے ہوئے مال سے جدا کر دیتی ہے۔ اگر آدمی کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو تو وہ مال کے پیچھے اپنے کو دیوانہ نہ بنائے۔ آدمی کو کسی سے شکایت ہو جاتی ہے اور وہ اس کو مٹانے اور اس کو برباد کرنے میں لگ جاتا ہے۔ مگر ابھی وہ اپنے تخریبی منصوبہ کو پورا نہیں کر پاتا کہ موت اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے دشمن کو اس کے حال میں چھوڑ کر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اگر یہ حقیقت آدمی کے ذہن میں تازہ ہو تو وہ کبھی کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ آدمی کے سامنے ایک سچائی آتی ہے مگر وہ اس کا اعتراف نہیں کرتا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے اس کا اعتراف کر لیا تو وہ بڑائی کے مقام سے نیچے آجائے گا، اس کا بنا بنایا ڈھانچہ ٹوٹ کر منتشر ہو جائے گا۔ مگر سچائی کے انکار کے بعد اس پر چند دن بھی نہیں گزرتے کہ موت اس کی بڑائی کو ختم کر دیتی ہے اور اس کا سارا نقشہ درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر وہ موت سے پہلے اس ہونے والے واقعہ کو یاد کرے تو کبھی ایسی سچائی کے انکار کی جرأت نہ کرے جس کو چند لمحہ بعد اس کو بہر حال تسلیم کرنا ہے۔

ایک ایسا گھر جو کل جل کر تباہ ہو جانے والا ہو اس کو کوئی نہیں خریدتا۔ ایک ایسا شہر جو اگلے لمحہ بھونچال کی زد میں آنے والا ہو اس میں کوئی داخل نہیں ہوتا۔ مگر کیسی عجیب بات ہے کہ موت کے عظیم تر بھونچال کے معاملہ میں ہر آدمی یہی غلطی کر رہا ہے۔

رسول اللہ ص کی تواضع

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ سے زیادہ محبوب ہمارے لئے کوئی نہ تھا۔ مگر جب وہ ہمارے پاس آتے تو ہم آپ کے لئے کھڑے نہ ہوتے۔ کیوں کہ ہم جانتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں کرتے تھے (مسلم)

ضرورت سے زیادہ چیزوں کے عادی نہ ہو

عبداللہ بن شریک اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے فالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا: تو بڑی اچھی خوشبو والا ہے۔ تیرا رنگ بھی اچھا ہے۔ اور تیرا ذائقہ بھی اچھا۔ مگر میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو اس چیز کا عادی بناؤں جس کا عادی میں نہیں ہوں (ولکن اکرہ ان اعود نفسی مالم تعتد ہ، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۸۱)

فخر کی نفسیات میں مبتلا ہونے والا خدا کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے

ابونعیم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک بار ایک نیا کرتا پہنا۔ میں اس کو دیکھتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کیا دیکھ رہی ہو۔ اللہ تمہاری طرف دیکھنے والا نہیں (ما تنظرین، ان اللہ لیس بناظر الیک) میں نے کہا کیوں۔ فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ بندے کے اندر جب دنیا کی زینت سے احساس فخر پیدا ہوتا ہے تو اس کا رب اس سے ناراض ہوجاتا ہے جب تک کہ وہ بندہ اس زینت کو چھوڑ نہ دے۔ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے اس کرتے کو اتارا اور اس کو صدقہ کر دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تمہارا یہ صدقہ تمہارے لئے کفارہ بن جائے (عسی ذلک ان یکفر عنک، حلیۃ الاولیاء جلد ۱)

غصہ پر قابو رکھنا سب سے بڑی بہادری ہے

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ پہلوان کس کو سمجھتے ہو۔ لوگوں نے کہا، وہ شخص جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے (ولکنہ الذی یملک نفسہ عند الغضب (مسلم)

سب کچھ کر کے بھی یہی سمجھنا کہ کچھ نہیں کیا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر مغیرہ بن شعبہ رضا کے مجوسی غلام ابولولو نے قاتلانہ حملہ کیا۔ مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ آپ نے دودھ منگا کر پیا تو دودھ کی سفیدی زخموں کے راستہ سے بہہ پڑی۔ آپ نے فرمایا: واللہ لو ان لی طلاع الارض ذھبا لافتدیت بہ من عذاب اللہ من قبل ان اراہ (خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین کے برابر سونا ہوتا تو میں اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اسے فدیہ دے دیتا قبل اس کے کہ میں اسے دیکھوں)۔ عبداللہ بن عباس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا کی کہ اللہ آپ کے ذریعہ دین کو اور مسلمانوں کو طاقت دے جب کہ مسلمان مکہ میں حالت خوف میں تھے۔ آپ اسلام لائے۔ آپ کا اسلام باعث قوت ہوا۔ آپ کے ذریعہ اسلام کو سربلندی ملی۔ آپ نے ہجرت کی اور آپ ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ پھر رسول اللہ علیہ وسلم کی وفات

ہوئی اور وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ خلیفہ اول کے مشیر اور مددگار رہے اور ان کی وفات ہوئی اور وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ مسلمانوں کے امیر مقرر ہوئے۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ شہروں کو آباد کیا، دولت کی بہتات کردی، آپ کے ذریعہ اسلام کے دشمنوں کا خاتمہ کیا۔ پھر شہادت پر آپ کا خاتمہ لکھ دیا۔ پس مبارک ہو۔" عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس نے دھوکا کھایا جو تم لوگوں کے دھوکہ میں آگیا۔" پھر فرمایا: اے عبداللہ! کیا تم قیامت کے دن میرے لئے گواہی دو گے۔" انھوں نے کہا ہاں۔ پھر اپنے لڑکے سے کہا: اے عبداللہ! میرا چہرہ زمین پر رکھ دو۔ وہ حضرت عمر کا سر اپنی ران پر لئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ران سے اٹھا کر پنڈلی پر رکھ لیا۔ حضرت عمر نے کہا: "تم میرا رخسار زمین سے ملا دو۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمر نے کہا: عمر! خرابی ہے تیری اور تیری ماں کی اگر اللہ نے تجھے معاف نہ کیا (ویلک وویل امک یا عمر ان لم یغفر اللہ لک (طبرانی) اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

ہر حال میں عبدیت پر قائم رہنا

امام نسائی اور امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غزوۂ بدر کے سفر میں ہر تین آدمی کے درمیان ایک اونٹ تھا۔ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ یہی حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ کے ساتھ دوسرے دو آدمی ابولبابہؓ اور علی بن ابی طالب رض تھے۔ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اِرکب حتی نمشی عنک (آپ سوار رہئے۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے) آپ نے فرمایا: تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور نہ مجھ کو تم سے کم ثواب کی ضرورت ہے (ما انتما باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منکما (البدایہ والنہایہ جلد ۳)

تکلف کے بجائے ضرورت کا لحاظ کرنا

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے ابو ایوب انصاری کے گھر میں قیام فرمایا۔ ان کے گھر کے اوپر ایک کوٹھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے کے حصہ میں ٹھہرے اور حضرت ابو ایوب اپنے گھر والوں کے ساتھ اوپر تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ رسول نیچے ہوں اور وہ اوپر ہوں۔ انھوں نے کہا: اے خدا کے رسول! آپ اوپر کے حصہ میں قیام کریں۔ ہم لوگ نیچے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا: اس کا خیال مت کرو میرے لئے نیچے کا قیام زیادہ بہتر ہے۔ کیوں کہ ملاقات کے لئے آنے والوں کو اس میں زیادہ آسانی ہوگی (سیرت ابن کثیر، جلد ۲)

جانوروں پر مہربانی

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک مقام پر ہم نے پڑاؤ ڈالا۔ وہاں ایک چڑیا تھی۔ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے بچوں کو پکڑ لیا۔ چڑیا لوٹتی اور پر پھڑ پھڑانے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کس نے اس چڑیا کو تکلیف دی ہے۔ اس کے بچے کو اسے لوٹا دو۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ چیونٹیوں کے گھر کو جلایا گیا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ کس نے اس کو جلایا ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم لوگوں نے جلایا ہے۔ آپ نے فرمایا: آگ کے رب کے سوا کسی اور کے لئے آگ کا عذاب دینا جائز نہیں۔

(انه لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار (مسلم)

کسی کھانے کو حقیر نہ سمجھے

امام بیہقی نے حضرت ابین سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ آپ ان کے سامنے روٹی اور سرکہ لائے اور کہا کہ اس کو کھائیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کیا ہی بہترین سالن ہے سرکہ۔ نیز آپ نے فرمایا: ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جو اس چیز کو حقیر سمجھے جو اس کے سامنے پیش کی گئی ہو (هلاك بالقوم ان يحتقر وا ما قدم اليهم (کنز العمال جلد ۵)

کبر کا رویہ اللہ کو پسند نہیں

ابو نعیم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی۔ اس کے پاس کوئی چیز تھی جو وہ مجھ کو دینا چاہتی تھی۔ مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس کا ہدیہ لینا پسند نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم اس کے ہدیہ کو قبول کر لیتیں اور اس کو کچھ بدلہ دے دیتیں: میرا خیال ہے کہ تم نے اس کو حقیر سمجھا۔ اے عائشہ! تواضع اختیار کر۔ کیوں کہ اللہ تواضع کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور متکبرین سے بغض رکھتا ہے۔ (فاری الك حقرتيها فتواضعي يا عائشة۔ فان الله يحب المتواضعين ويبغض المستكبرين (حلیۃ الاولیاء، جلد ۳)

شان ظاہر کرنے کے لئے دعوت کا اہتمام پسندیدہ نہیں

احمد اور ابن المبارک نے تمیم بن نعیم سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو کھانے کی ایک دعوت میں بلایا گیا جس کو انھوں نے قبول کر لیا۔ جب وہ دونوں اس کے لئے جانے لگے تو عمر رضی نے عثمان رضی سے کہا: میں اس کھانے کے لئے چل رہا ہوں۔ مگر مجھ کو پسند تھا کہ میں اس میں نہ جاتا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کس لئے۔ انھوں نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ یہ فخر و نمائش کے لئے کیا گیا ہو (خشيت ان يكون مباهاة" کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۶۶)

تواضع سے بلندی پیدا ہوتی ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مال صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا۔ معافی صرف بندہ کی عزت کو بڑھاتی ہے اور تواضع سے ہمیشہ آدمی کا درجہ بلند ہوتا ہے (ما نقصت صدقة من مال وما زاد الله عبدا بعفو الا عزا وما تواضع احد لله الا رفعه الله، مسلم)

رسول نے اپنا ہاتھ چومنے کی اجازت نہ دی

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دکان دار کے یہاں سے کپڑا خریدا۔ خریداری سے فارغ ہو کر جب آپ اٹھنے لگے تو دکان دار نے بڑھ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا آپ نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا: یہ کام وہ ہے جس کو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں صرف تم میں سے ایک آدمی ہوں (هذا تفعله الاعاجم بملوكها ولست بملك انما انا رجل منكم)

حق کے ساتھ تحقیر کا معاملہ کرنا کبر ہے

ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبر کا تذکرہ ہوا تو آپ نے اس کے بارے میں سخت الفاظ کہے پھر یہ آیت پڑھی: ان اللہ لا یحب کل مختال فخور (اللہ کسی خود پسند اور بڑائی کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا) اس موقع پر ایک شخص نے کہا: خدا کی قسم اے خدا کے رسول میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں تو مجھے اس کی سفیدی پسند آتی ہے۔ مجھے اپنے جوتے کا تسمہ پسند آتا ہے۔ مجھے اپنے کوڑے کا شکن اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کبر نہیں۔ کبر تو یہ ہے کہ تم حق کی ناقدری کرو اور لوگوں کو حقیر جانو (انما الکبر ان تسفه الحق وتغمط الناس۔ تفسیر ابن کثیر جلد ثالث، صفحہ ۶۷)

لوگوں کے درمیان امتیاز کے بغیر بیٹھنا

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں آئے۔ میں نے چمڑے کا ایک تکیہ آپ کو پیش کیا جس میں چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا (دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالقیت لہ وسادۃ من ادم حشوھا لیف فجلس علی الارض وصارت الوسادۃ بینی وبینہ، الادب المفرد صفحہ ۱۷۲)

معمولی آدمی کی بات پر بھی پوری توجہ دو

ابو رفاعہ تمیم بن اُسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں اپنے وطن سے چل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ میں پہنچا تو آپ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے کہا: اے خدا کے رسول، میں ایک مسافر آدمی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم دین کیا ہے۔ میں آپ سے دین کی بابت پوچھنے آیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف آئے اور خطبہ چھوڑ دیا۔ میرے پاس آکر آپ بیٹھ گئے اور اللہ نے جو کچھ آپ کو بتایا تھا وہ مجھ کو بتانا شروع کیا۔ مجھ کو بتانے کے بعد واپس ہوئے اور دوبارہ اپنے خطبہ کو مکمل کیا۔ (مسلم)

بڑوں کے آگے چلنا گستاخی نہیں ہے

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا۔ کوئی اپنا اونٹ اس سے آگے نہیں بڑھاتا تھا۔ ایک دن ایک دیہاتی آیا۔ وہ ایک چھوٹی اونٹنی پر سوار تھا۔ اس کی اونٹنی آپ کی اونٹنی سے آگے بڑھ گئی۔ مسلمانوں پر یہ بات شاق گزری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اندازہ ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ نے اس کا ذمہ لیا ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی اونچی ہوگی اس کو نیچا کرے گا (حق علی اللہ ان لا یرتفع شیٔ من الدنیا الا وضعہ، بخاری)

جو اپنے کو چھوٹا جانے وہی اللہ کے نزدیک بڑا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔ وہ اپنے جی میں اپنے کو حقیر سمجھتا ہے مگر لوگوں کے نزدیک وہ بڑا ہوتا ہے (مختصر تفسیر ابن کثیر، جلد ثانی، صفحہ ۳۷۷)

اسلام میں یہ مطلوب ہے کہ ماحول کے اندر اس کا غلبہ قائم رہے۔ عمومی طور پر ایسی ذہنی فضا بن جائے کہ دین اور خدا کی بات ہلکی بات نہ رہے بلکہ وہ لوگوں کو بھاری بھرکم بات نظر آئے۔

ذہنی غلبہ کی یہ فضا اسلام دو طریقوں سے حاصل کرتا ہے۔ ایک سیاسی قوت۔ دوسرے، عقلی استدلال۔ اگر کسی علاقے میں اسلام کا سیاسی اقتدار قائم ہو جائے تو خواہ حکومت مذہبی معاملات میں غیر جانب دار ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے حق میں ذہنی غلبہ کی ایک فضا خود بخود قائم ہو جاتی ہے۔ ہندستان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آٹھ نو سو برس کی حکومت کے باوجود یہاں کے مسلم حکمرانوں نے کبھی اشاعت دین کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اس غلطی کے لئے میں انھیں معذور قرار دینے کا وکیل نہیں بن سکتا۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ مسلم اقتدار نے عمومی غلبہ کی جو فضا پیدا کی، وہ تبلیغ دین کی غیر سرکاری کوششوں میں مددگار ثابت ہوئی۔ جب اس علاقے کو خراسان اور ماوراء النہر کے سیاسی حوصلہ مندوں نے فتح کیا تو اسی کے ساتھ بخارا، بلخ، سمرقند خوارزم، عراق اور ایران کے علماء قطار در قطار یہاں آنا شروع ہوئے۔ ابتداءً ملتان اور لاہور کے علاقے ان کا مرکز بنے۔ اس کے بعد جب ۶۰۷ھ میں سلطان شمس الدین التمش نے دہلی کو دارالسلطنت بنایا تو ہر طرف سے علماء سمٹ سمٹ کر دہلی میں جمع ہونے لگے۔ اس طرح حکومت کے براہ راست تعاون کے بغیر، مگر اسلام کے سیاسی غلبہ کی عمومی فضا میں، تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے وہ سارے کارنامے انجام پائے جن کا نتیجہ آج ہم اس برصغیر میں ۲۰ کروڑ مسلمانوں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

ذہنی غلبہ کی اس فضا کے لئے سیاسی غلبہ ناگزیر نہیں، وہ عقلی استدلال کے ذریعہ بھی پیدا ہوتی ہے حتی کہ عقلی بنیادوں پر مبنی ذہنی فضا اتنی وسیع اور قوی شکل اختیار کر سکتی ہے کہ سیاسی غلبہ سے پیدا ہونے والی فضا پر بھی بھاری ثابت ہو۔ یہاں مثال کے طور پر مغربی قوموں کی موجودہ سائنس کا نام لیا جا سکتا ہے مغربی قوموں کا سیاسی اقتدار آج ایشیا اور افریقہ سے تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ مگر مغربی قوموں نے دماغی علوم میں جو برتری حاصل کی ہے، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج بھی آزاد شدہ ممالک پر ان کا مکمل ذہنی غلبہ قائم ہے۔ کسی چیز یا کسی نظریے کا "فارن" ہونا اس کی بہتری کا ایسا ثبوت ہے جو بلا بحث تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ بن گیا ہے کہ جو چیز مغرب سے آئے وہ ضرور معیاری ہو گی۔ حالاں کہ صرف چند سو برس پہلے مغربی سائنس کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ کیمسٹری، قدیم طرز کے کیمیا دانوں کے ہاتھ میں تانبے پیتل کو سونا بنانے کا ایک خبط تھا اور فلکیات پرانے نجومیوں کے ہاں لوگوں کو مستقبل کی بات بتا کر ان کو لوٹنے کی ایک بدنام تدبیر تھی۔

ذہنی مرعوبیت اور تصوراتی غلبہ کی یہ فضا جب کسی تحریک کے حق میں پیدا ہو جائے تو بہت سی مصنوعی اور غیر ضروری رکاوٹیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں اور تحریک کی توسیع و ترقی کا کام ایک موافق فضا میں ہونے لگتا ہے۔ ذہنی غلبہ کی فضا کی مثال پختہ سڑک کی ہے۔ اگر آپ اپنی گاڑی ناہموار بیابان میں چلا رہے ہوں تو طرح طرح کی زحمتیں پیش آتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر آپ کو ایک بنی بنائی پختہ سڑک مل جائے تو سفر نہایت تیزی

اور آسانی سے ہونے لگے گا۔

علم کلام کا ایک کام اسی قسم کی ذہنی فضا پیدا کرنا ہے ـــــــ علوم کا ایسا مطالعہ کرد ہ اسلامی عقائد کے مویّد نظر آنے لگیں۔ تاریخ کی ایسی نقشہ کشی جس میں اسلام اپنی واقعی جگہ پائے۔ حقائق کائنات کی ایسی تعبیر جس سے اسلام کی تصدیق و تصویب ہو۔ اسلامی صداقتوں کا ایسے انداز اور ایسے دلائل کے ساتھ اظہار جو وقت کے ذہن پر عظیم سوالیہ نشان بن کر مسلط ہو جائے۔ غرض برتر علمی تدوین اور اعلیٰ استدلال کے ذریعہ لوگوں کے طرز فکر پر اس طرح چھا جانا کہ ان کی عقل کو نظر آنے لگے کہ اسلام کے سوا کوئی چیز حقیقت کے خانے میں بیٹھ ہی نہیں رہی ہے۔ جہاں اسلام کا احترام دلوں میں جگہ پا چکا ہو وہاں دعوت اسلام کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے اور یہ ایک طاقتور علم کلام کا نہایت اہم فائدہ ہے۔

واضح ہو کہ "اقامت دین" اور "غلبۂ دین"، دونوں ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ اقامت دین کا تعلق تمام تر فرد سے ہے۔ دین کو قائم کرو (شوریٰ) کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک شخص کو جس دین کا حامل بننا ہے اس کا وہ حامل بنے۔ ہر آدمی اپنی زندگی کو دینی زندگی بنائے۔ اللہ سے ڈرنا، اللہ سے محبت کرنا، اللہ کا پرستار بن جانا، روز و شب کی زندگی میں اللہ کو یاد کرتے ہوئے معاملہ کرنا۔ اپنے تمام معاملات کو آخرت کی بنیادوں پر قائم کرنا۔ یہی ہر فرد کا دین ہے اور اس دین پر اپنی انفرادی زندگی میں پوری طرح قائم ہو جانے کا نام اقامت دین ہے۔

غلبہ دین سے مراد ہے کسی ماحول میں اسلام کی سیاسی یا غیر سیاسی بالاتری قائم ہو جانا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں اہل اسلام کی سیاسی برتری قائم ہو گئی تھی۔ مگر ملک کا قانون اس کے باوجود وہی تھا جو مشرک بادشاہ کے زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حبش میں نہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اور نہ وہاں کا قانون اسلام کا قانون تھا۔ مگر مسلمانوں کی نظریاتی اور اخلاقی برتری نے مسلمانوں کو وہاں یہ مقام دے دیا تھا کہ وہ عزت کے ساتھ وہاں رہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ کریں۔ یہ چیز اتنی کافی سمجھی گئی کہ مسلمانوں نے حبش کے علاقہ میں کبھی فوج کشی نہ کی۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے زیر اقتدار علاقہ میں یہ غلبہ مسلمانوں کو اپنی کامل صورت میں حاصل رہا۔

اقامت دین اور غلبہ دین کو اگر ہم معنی قرار دیا جائے تو اس سے زبردست خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک طرف یہ کہ اقیموا الدین کے حکم سے اصلاح خویش کا جو جذبہ بھڑکنا چاہئے وہ نہیں بھڑکتا۔ کیونکہ اب اس حکم کا رخ اپنے بجائے دوسروں کی طرف ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ کہ مسلم ملکوں میں جہاں اسلام کے حق میں غلبہ کی فضا موجود ہے اس کو استعمال کر کے اسلام کے لئے تعمیری اور دعوتی کام کرنے کا شوق نہیں ابھرتا بلکہ سارا زور اس پر صرف ہونے لگتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کو تخت سے بے دخل کرو کیونکہ وہ اسلام کے اجتماعی قانون کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی کوششیں اس طرح ضائع ہو جاتی ہیں کہ ان سے نہ اقامت دین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ غلبۂ دین کا۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زرتعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کر وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ـــــــ الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ـــــــ الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ڈاک گھر بچت بنک

دیتا ہے سب سے زیادہ اور ٹیکس سے مستثنیٰ

اوراس کے علاوہ اا ہزار سے زیادہ نقد انعامات

پہلا انعام 1.00.000 روپے

ڈاک گھر بچت بنک ملک کا سب سے پرانا اور سب سے بڑا بچت بنک ہے۔ تقریباً 26.4 کروڑ افراد اس پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس میں 1695 کروڑ روپے سے زیادہ رقم جمع ہے۔ آپ بھی 200 روپے کم از کم 6 مہینوں کے لئے جمع رکھ کر ششماہی ڈرا میں نکلنے والا کوئی انعام جیت سکتے ہیں۔ اب تک ایک لاکھ سے زیادہ لوگ انعام جیت چکے ہیں۔

دلکش خصوصیات

- صرف پانچ روپے سے کھاتہ کھولا جا سکتا ہے۔
- 5.5 فیصد سالانہ ٹیکس سے بالکل مستثنیٰ
- ایک لاکھ 29 ہزار ڈاک گھر اور ان کے علاوہ کئی چلتے پھرتے ڈاک گھر آپ کی خدمت کے لیے موجود ہیں۔ کھاتے ایک ڈاک گھر سے دوسرے ڈاک گھر میں منتقل کئے جا سکتے ہیں۔
- اپنے گاؤں کے ڈاک گھر میں رقم جمع کرانے اور شہر کے بڑے یا چھوٹے ڈاک گھر میں سے رقم نکلوانے اور اس کے برعکس شہر کے بڑے یا چھوٹے ڈاک گھر میں رقم جمع کرانے اور گاؤں کے ڈاک گھر سے رقم نکلوانے کی سہولیت۔
- آپ اپنی مرضی کے مطابق آسانی سے رقم نکلوا سکتے ہیں۔
- تقریباً 23 ہزار ڈاک گھروں میں چیک کی سہولیت کا انتظام ہے اور باہر کے ڈاک گھر بچت بنک چیکوں پر کوئی "کلیکشن چارج" نہیں لیا جاتا
- شناختی کارڈوں کے ذریعے فوراً شناخت کا انتظام۔
- کھاتہ کو ضمانت کے طور پر رکھا جا سکتا ہے۔
- کسی کو بھی نامزد کرنے کی سہولیت۔

آج ہی کسی بھی ڈاک گھر میں اپنا کھاتہ کھول لیجئے

قومی بچت ادارہ

پوسٹ بکس نمبر 96 ناگپور 440001

davp 80/107

AD

مُلک کی
ایکتا کا
راز
"بنیادی طور پر مُلک کے لئے باشندوں کی محبت اور اس کے لئے
کام اور قربانی کرنے کا عزم۔
"اور یہ صرف دوسروں کی بھلائی کے خیال سے ہی نہیں، کیونکہ ہر
فرد یہ جانتا ہے کہ اس کا اپنا مستقبل دراصل اس کے مُلک کے
مستقبل سے وابستہ ہے"۔
—— اندرا گاندھی
آیئے ہم اپنی آزادی کی
33 ویں
سالگرہ پر
سی۔آر۔داس کے ان الفاظ کی دائمی سچائی کو یاد کریں:
"اگر بھارت ہی نہ رہے تو رہے گا کون؟"
ہمارا ایک ہی نشانہ ——
مضبوط اور خود کفیل بھارت کی تعمیر
آیئے ہم سب مل کر کام کریں
davp 80/154

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

- دین کیا ہے
  صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
- تجدید دین
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/ روپے
- مذہب اور جدید چیلنج
  صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۲/۵۰ روپے
- تعمیر ملت
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/ روپے
- الاسلام
  صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۲/ روپے
- اسلام دین فطرت
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/ روپے
- ظہور اسلام
  صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/ روپے
- زلزلۂ قیامت
  صفحات ۶۴ قیمت ۳/ روپے
- اسلامی دعوت
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/ روپے
- تاریخ کا سبق
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/ روپے
- عقلیات اسلام
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/ روپے
- قرآن کا مطلوب انسان
  صفحات ۸۰ قیمت ۳/۵۰ روپے
- مذہب اور سائنس
  صفحات ۷۲ قیمت ۳/-
- پیغمبر اسلام
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
- سبق آموز واقعات
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پوری قوّت اور
پورا فائدہ مِلتا ہے؟

اپنی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا
اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا
ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانک ہے جس میں
طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی
اجزاء کے ساتھ چھوٹی الائچی، لونگ، دھنیا،
دارچینی، تیزپات، تلسی وغیرہ جیسی چودہ ۱۴ جڑی
بوٹیاں شامل ہیں۔ اِس مرکّب سے آپ کے
نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن
اس کی مدد سے آپ کی روزمرّہ خوراک سے
صحیح تغذیہ اور بھرپور قوّت حاصل کرتا ہے۔

سنکارا

ہر موسم اور ہر عمر میں
سب کے لیے بے مثال ٹانک

ہمدرد

HD-5949 AU

REGD R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D) NO. 532

September 1980
Issue No. 46

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231